ماہنامہ
قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:106 ماہ اکتوبر 2021ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London
(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदका मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ڈاکٹر عبدالسلام

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

جلا تھا علم کی دنیا میں جو چراغ کوئی
خدا نے اس کو دیا تھا ذہین دماغ کوئی
وہ آیتوں کی تلاوت سے جس کو سمجھا تھا
لگایا اُس نے اسی راز کا سراغ کوئی
عجیب لوگ تھے سمجھے نہ اس کی الفت کو
اسے تھی فکر،وطن پر لگے نہ داغ کوئی
تمام عمر گزاری ہے اس نے خدمت میں
کبھی تو غور کرے صاحبِ فراغ کوئی
وہ پی کے بادہء عرفان مستِ دانش تھا
نہ آیا اس کے لیے اور تو ایاغ کوئی
جو پایا اس نے تھا نوبیل کا انعام اس سے
بنایا علم کی ترویج کا ہی باغ کوئی
خدا نے بخشا ہے طارقؔ اسے مقامِ بلند
عقاب کے ہے مقابل کہاں پہ زاغ کوئی

Earlsfield Properties
Professional Residential Property Management Services
We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.
Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.
Get it Right
✔ Member National Landlord Association
✔ Member Deposit Portection Schemes
✔ Member The Property Ombudsman Scheme
✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.
1
PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)
175 Merton Road, London SW18 5EF
Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated

Chief Editor

فہرست مضامین

غزلیات: آفتاب شاہ، ابوبلال، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، احمد فراز، شوکمار بٹالوی، ساجد محمود رانا، ایس ایم تقی حسین، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، منیر باجوہ، مبارک عابد، مبارک احمد ظفر، دیا جیم، مافتخار راغب قطر، ڈاکٹر عبدالکریم قدسی، شفیق مراد، مبشر شہزاد گلاسگو، طفیل عامر، احکم غازی پوری، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، م مبرور، طفیل عامر، عبدالحمید حمیدی، ڈاکٹر ظفر جاذب، عاصی صحرائی، عبد الکریم خالد، شارق ریاض کولکاتہ، شازیہ عالم شازی، ڈاکٹر محمد الیاس عاجز، شفیق مراد،		5 تا 12
وائس آف ٹائم قائداعظم اور بوٹ	رانا محمود	13
قریشی داؤد احمد ساجد	شہزادہ قمرالدین مبشر	14
قائداعظم اور قومی زبان واقد	مشرقِ اُفق۔ میرافسر امان	15
گنتی	مبشرہ ناز	16
دھماکہ خیز بریکنگ خبر	یاسر رسول	17
لیاقت علی خان کی اولادوں کے موجودہ حالات	جاوید چوہدری	18
خراشِ قلم	آفتاب شاہ	20
میرا جسم میری مرضی	جاوید چودھری	22
نعت	ڈاکٹر منور احمد کنڈے	23
کویتی کالم نگار عبداللہ الجاراللہ	ادارہ	24
جعلی، مصنوعی اور دونمبر شعراء...		25
حیران کُن خبر۔	سردار منیر ایڈووکیٹ	27
آصفہ قاضی۔ بنتِ حوا ذرا سنبھل کر۔!!!	شاذیہ ظفر	29
ڈاکٹر طاہر کاظمی	ادارہ	30
بے لگام معاشرہ	ادارہ	33
اخبار ''نوشتہ دیوار'' کراچی	سید عتیق الرحمن گیلانی	34
جس پہ کرم ہے، اُس سے کبھی پنگا نہ لینا	تلقین شاہ	36
جستہ جستہ	عطاءالقادر طاہر	37
ذرا سوچیئے	ادارہ	38
سوئٹزرلینڈ	شہزادہ قمرالدین مبشر	40

اعلان۔ ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔ اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔ جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK, A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637 (R) 02086482560

غزلیات

آفتاب شاہ

شعر لکھنا ہے تو ہستی کو مٹانا ہوگا
خود کے شاعر کو کئی بار رلانا ہوگا
داد ملتی ہے کہاں شعر کو لکھ رکھنے سے
اس زمانے میں اسے دف پہ بجانا ہوگا
داد کے واسطے کچھ دوست بھی اب لازم ہیں
داد لینی ہے تو پھر ہاتھ ملانا ہوگا
شعر کو وزن میں لانا ہے اگر تم نے تو
مجلسِ افضلِ شعراء میں جانا ہوگا
اپنے احباب میں کچھ بانٹنا ہوگا تم کو
اپنا اک خاص قبیلہ بھی بنانا ہوگا
کس علاقے سے ہو گردان نا چھوڑو اسکی
کس کے پٹھے ہو مری جان بتانا ہوگا
گر جو ہو جائے شکر رنجی تری ناقد سے
دھوبی پٹکے سے اسے چپ بھی کرانا ہوگا
رات کے رات جو مشہور تمہیں ہونا ہے
مجلسوں میں تمہیں ہیجر سنانا ہوگا

ابو بلال

حالتِ قبض اور بسط بیکل کرے
گاہے روئے یہ دل گاہے ہنستا رہے
ایک لمحہ میں جاں وار دے عشق میں
آتشِ کینہ میں رات دن بھی جلے
حظ عبادت میں ولیوں کے مانند ہو
یا عبادت میں دل بھی کبھی نا لگے
بحرِ عرفان میں غوطہ زن ہو کبھی
خوابِ غفلت میں گاہے یہ سوتا رہے
آپ و تابِ زمانہ میں کھو جائے من
اس جہاں میں کبھی اس کا دل نا لگے
حالتِ مومنانہ ہو طاری کبھی
سیدھی رہ پر کبھی بے دلی سے چلے
حالتِ کشمکش سے خدایا نکال
نفس اب مطمئنہ کی گت میں رہے

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

جس چہرے سے نظروں کو ہٹایا نہیں جاتا
اس چاند کو دنیا سے چھپایا نہیں جاتا
توڑا ہے اگر دل تو اکٹھے کرو ٹکڑے
یوں کانچ کو رستے میں بچھایا نہیں جاتا
وہ سنتے نہیں گر تو چلیں آنکھوں سے بولیں
چپ رہ کے تو اب شور مچایا نہیں جاتا
اپنوں کے لئے جان بھی حاضر ہے ہماری
روٹھے ہوئے دشمن کو منایا نہیں جاتا
اِخلاص تو چہرے سے اداؤں سے عیاں ہو
اندازِ محبّت تو پڑھایا نہیں جاتا
خوں دے کے شہیدوں میں جو طالع ہوئے شامل
قربانی کو ان کی تو بُھلایا نہیں جاتا
جو عہدِ وفا باندھ کے اب بھول گئے ہیں
کیا ان کو کبھی یاد کرایا نہیں جاتا
کہنے کو تو سب کچھ ہی تِرا اُس کا ہوا ہے
جب اُس نے کہا آؤ تو جایا نہیں جاتا
طارق مجھے قسمت سے یہ انعام ملا ہے
میں کیوں یہ کہوں پیار نبھایا نہیں جاتا

احمد فراز

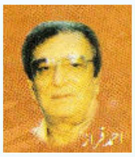

اب کے تجدیدِ وفا کا نہیں امکاں جاناں
یاد کیا تجھ کو دلائیں تیرا پیماں جاناں
یونہی موسم کی ادا دیکھ کر یاد آیا ہے
کس قدر جلد بدل جاتے ہیں انساں جاناں
زندگی تیری عطا تھی سو ترے نام کی ہے
ہم نے جیسے بھی بسر کی ترا احساں جاناں
دل یہ کہتا ہے کہ شاید ہو افسردہ تو بھی
دل کی کیا بات کریں دل تو ہے ناداں جاناں
اول اول کی محبت کے نشے یاد تو کر
بے پیے بھی تیرا چہرہ تھا گلستاں جاناں
آخر آخر تو یہ عالم ہے کہ اب ہوش نہیں
رگِ مینا سلگ اٹھی کہ رگِ جاں جاناں
مدتوں سے یہ عالم نہ توقع نہ امید
دل پکارے ہی چلا جاتا ہے جاناں جاناں
ہم بھی کیا سادہ تھے ہم نے سمجھ رکھا تھا
غمِ دوراں سے جدا ہے غمِ جاناں، جاناں
اب کے کچھ ایسی سجی محفلِ یاراں جاناں
سر بہ زانو ہے کوئی سر بہ گریباں جاناں
ہر کوئی اپنی ہی آواز سے کانپ اٹھتا ہے

ہر کوئی اپنے ہی سائے سے ہراساں جاناں
جس کو دیکھو وہی زنجیر بہ پا لگتا ہے
شہر کا شہر ہوا داخلِ زنداں جاناں
اب تیرا ذکر بھی شاید ہی غزل میں آئے
اور سے اور ہوئے درد کے عنواں جاناں
ہوش آیا تو سبھی خواب تھے ریزہ ریزہ
جیسے اُڑتے ہوئے اوراق پریشاں جاناں
ہم کہ روٹھی ہوئی رُت کو بھی منا لیتے تھے
ہم نے دیکھا ہی نہیں موسمِ ہجراں جاناں

شوکمار بٹالوی

مینوں تیرا شباب لے بیٹھا
رنگ گورا گلاب لے بیٹھا
کِنی بیتی تے کِنی باقی اے
مینوں ایہو حساب لے بیٹھا
چنگا ہندا سوال ناں کردا
مینوں تیرا جواب لے بیٹھا
ویل جد وی ملی اے فرضاں توں
تیرے رُخ دی کتاب لے بیٹھا
شِو نوں اک غم تے ای بھروسہ سی
غم توں کورا جواب لے بیٹھا

ساجد محمود رانا

وقتی ساتھی یار نئیں ہوندا
پگ والا سردار نئیں ہوندا
دنیا نفرت بھر دیندی اے
کِسں دے دل وچ پیار نئیں ہوندا
جس نے سچی گل کرنی اے
جینے دا حقدار نئیں ہوندا
توں فنکاری دسی مینوں
نئیں تے میں فنکار نئیں ہوندا
جان ناں منگی ساڈے کولوں
ساڈے توں انکار نئیں ہوندا
بلیاں، کُتے، چٹ لیندے نیں
دودھ ڈلیا بیکار نئیں ہوندا
دنیا داری سپ زہریلا
میتھوں اے سپ مار نئیں ہوندا
اوکھا پینڈا کر بیٹھے آں
سوکھا پینڈا پار نئیں ہوندا
میرا حق وی کھا بیٹھے او
ایداں تے سرکار نئیں ہوندا
رشتے اونج بتھیرے ہوندے
ہر کوئی رشتے دار نئیں ہوندا
دشمن وی جے بوہے آوے
ساتھوں تے دُدکار نئیں ہوندا
کم ہوندے نیں وکھرے وکھرے
بندہ کوئی بیکار نئیں ہوندا
او جے نیک نا ہوندا ساجد
میں وی دنیا دار نئیں ہوندا

ایس۔ایم۔تقی حسین

رفتار بادِ صبح تیری انگڑائیوں کے ساتھ
خوشبو ترا چلن مری رسوائیوں کے ساتھ
آبرو کا خم کہ جیسے ہو شمشیر تابدار
فریاد نیم شب، مری تنہائیوں کے ساتھ
بھول سے کوئی رکھ دے جو شانوں پہ اپنا ہاتھ
اٹھ جاؤں اُس کے ساتھ میں انگڑائیوں کے ساتھ
بہلا رہا ہوں خود کو فریب بہار سے
غنچوں کے ساتھ شام کی پُروائیوں کے ساتھ
آنکھوں میں ہیں گلال کے ڈورے شب عروس
جوڑا بھی زرد زرد سجا مائیوں کے ساتھ
مر جایئے بہار کا سودا نہ کیجیے
یوں زندگی نا جوڑیئے بربادیوں کے ساتھ
رستوں کے ساتھ ساتھ رہا حسرتوں کا غول
اک عمر کٹ گئی مری تنہائیوں کے ساتھ
پرخاش بے سبب کا مداوا نہ کیجیے
رستا ہے یہ زخم بھی گہرائیوں کے ساتھ
خاموش و بے نوا تھے زمانے کے سب زخم
میت کبھی اٹھی نہیں شہنائیوں کے ساتھ
اس شہر دلبراں میں انہیں ڈھونڈتے ہوئے
گُم ہو گیا تقی کہیں پرچھائیوں کے ساتھ

''وہ گر کر پھر سنبھلنا چاہتا ہے''

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

دُکھ نہیں اس بات کا شاعر نہ ہم مانے گئے
دُکھ تو یہ ہے بزم میں ہم اجنبی جانے گئے
دور تک اُس کی محبت کے جو افسانے گئے
لوگ سارے شہر کے تھے سنگ برسانے گئے
کس قدر چھائی ہوئی تھی چار سو افسردگی
کس لئے اُس بزم میں ہم دل کو بہلانے گئے
شہر بھر کی انگلیاں کیوں اُٹھ گئی تھیں جب کبھی
ہم تری دیوار کے سائے میں ستانے گئے
ڈھونڈنے روشن ستارا کوئی اپنے بخت کا
ہم نجومی کو بھی اپنا ہاتھ دکھلانے گئے

اپنی آنکھوں میں لئے وہ روشنی ہی روشنی
دار تک دیکھو کہ کیسے کیسے دیوانے گئے
ڈھونڈنے اپنے دلوں کے واسطے صبر و قرار
مسجدوں میں ہم گئے جب لوگ میخانے گئے
پاؤں سے لپٹی تھی ایسے خانہ ویرانی کی ریت
ہم وہ وحشی تھے ہمارے ساتھ ویرانے گئے
میں کہ فرحت زیست کی ان الجھنوں میں قید تھی
اپنے اپنے مسئلے جب لوگ سلجھانے گئے

ایم۔تقی حسین

کیوں اسطرح سکون ہے غارت عتاب رنگ
گہنا گیا ہے چاند کا چہرہ شباب رنگ
پھولے نہیں خوشی سے جو محفل میں آئے تھے
بے نور جو چراغ تھے چہرے کتاب رنگ
مٹی کا گھر بنا کے یہ بچے تو خوش ہوئے
دل بھر گیا تو توڑ کے سب ہیں سحاب رنگ
شب بھر کی زندگی ہی مقدر ہے پھول کا
چڑھتی ہو دھوپ دن میں اترتا گلاب رنگ
مٹی وطن کی ہو تو وہ خوشبو گماں میں ہو
آنکھوں کا اشک دل کا سمندر رہے آب رنگ
ہم نے شفق کو دے کے ہی ڈورے گلال کے
ان کے لبوں کا ڈھونڈ کے لایا عناب رنگ
انٹرنیشنل فی البدیہہ مشاعرہ میں

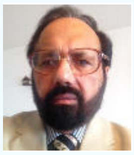

منیر باجوہ

تیرے در سے لپٹنا چاہتا ہے
دلِ مضطر بچھڑنا چاہتا ہے
بنا معشوق عاشق کی بقا کیا
وہ دنیا سے گزرنا چاہتا ہے
نچھاور ہو رہا ہے دل
اجی ارماں مچلنا چاہتا ہے
دلائل کے بِنا صاحب
بھلا کوئی جھگڑنا چاہتا ہے
زنداں میں ہے پابند سلاسل
وہ زندانی پھڑکنا چاہتا ہے
خطائے دہر سے بچ کر
مرا پاؤں سنبھلنا چاہتا ہے
صنم کے عشق میں یہ دل
منیر ہر دم دھڑکنا چاہتا ہے

مبارک عابد

جہاں جہاں وہ مرے ساتھ ساتھ چلتے رہے
ہر ایک نقش قدم پر چراغ جلتے رہے
گلے لگا لیا دریا نے بہتے پا نی کو
کنارے ریت کے ذرّوں کے دل مچلتے رہے
جب آئی یا د تری اُڑ کے تتلیوں کی طرح
ہم اپنی دھیان حویلی میں ہاتھ ملتے رہے
کمال یہ ہے اجالوں کی زندگی کے لئے
اندھیرے خود بھی کئی بار جلتے بلتے رہے
کئی گلابوں کی کانٹوں نے پرورش کی ہے
کئی اُجالے اندھیرے گھروں میں پلتے رہے
ہمارے خوابوں کی تعبیر بھی تھی خوابیدہ
وہ ہم ہی تھے کہ انہی خوابوں سے بہلتے رہے
کہاں گئے بڑے محلوں کے اونچے اونچے کلس
مرورِ وقت کے اژدر انہیں نگلتے رہی
اخیرِ شب کبھی اشکوں سے با وضو ہو کر
جھکے حضور میں اس کے تو دل پگھلتے رہے
تھمی نہ آنکھوں سے اک انتظار کی برکھا
وگرنہ کہنے کو موسم کئی بدلتے رہے
ملی تپاک کے عابد صلے میں سرد دلی
تو گویا برف کے طوفاں میں ہم پھسلتے رہے

مبارک احمد ظفر

کام صالح تھا نام طالع تھا
وہ خلافت کا عین تابع تھا
اِک توانا صبیح خادم تھا
گوہرِ پاک ابنِ ہاشم تھا
پی گیا جام وہ شہادت کا
راستہ چن لیا حلاوت کا
اپنے پیاروں سے جا ملا ہے وہ
اب شہیدوں میں جا بسا ہے وہ
اس کی یادوں کو یوں سجائیں گے
اپنے سجدوں میں ہم بسائیں گے
تجھ پہ رحمت مدام ہو پیارے
تجھ کو میرا سلام ہو پیارے

دیا جیم

ذکر اس کا حبیب لگتا رہا
اپنے دل کے قریب لگتا رہا
رشک آتا ہے طالع احمد پر
راضی اس سے خطیب لگتا رہا
ایسا لگتا تھا چاند ہے کوئی
کل وہ سب کا نصیب لگتا رہا
ساری نظریں بلائیں لیتی رہیں
اپنا دل ہی غریب لگتا رہا

اپنا دامن لگا کہ خالی ہے
ایک تو ہی منیب لگتا رہا

شاعروں نے لکھا محبت میں
غمزدہ ہر ادیب لگتا رہا

عشق زادہ دیا جلاتا ہوا
مردِ حق کا نجیب لگتا رہا

تجھ پہ رحمت مدام ہو پیارے

سیّد طالع احمد شہید

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

صالح وہ خاندان کا فرزندِ ارجمند
طالع وہ جان دے کے ہوا، جس کا سر بلند

حق وقف کا ادا کیا ہے اس نے اس طرح
ہر لحظہ فرضِ منصبی پہ تھا وہ کار بند

وہ با وقار، خوبرو، کم گو تھا، نیک بخت
میدان میں عمل کے نمایاں تھا، فتح مند

تھا وقفِ نو، تو تربیت بچپن سے وہ ملی
پہنچا نہ پایا اس کو کچھ معاشرہ، گزند

طالع خدا کی راہ میں جو جان دے گیا
خوش باغباں ہوا کہ شجر کا ثمر ہے قند

گلشن کو رنگ دے کے حسیں اور کر گیا
ہے داستاں وفا کی ہوئی خوں سے قلم بند

جلدی میں تھا وہ کام بہت سر پہ تھے ابھی
تھا وقت کم تو اس کے لئے تھا وہ فکر مند

اس نے لکھا، ”ہے مجھ کو خلیفہ سے اپنے پیار
لیکن یہ راز ہے، نہیں وہ اس سے بہرہ مند“

حاضر ہوا ہے اپنے وہ پیارے کے رُوبرو
اس کی رضا کا پا گیا وہ تاج، دل پسند

ہم پیچھے رہ گئے ہیں وہ پہلوں سے جا ملا
سیدھا بہشت میں گیا ایسی بھری زقند

کرتے ہیں رشک اس پہ فرشتے لئے سلام
گو آنکھ اشکبار ہے، دل غم سے درد مند

طارق بلایا جس نے وہی ہے عزیز تر
سب کی طرح خدا کو بھی شاید تھا وہ پسند

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

سوچ کی یاد میں ہنگامہ سدا رہتا ہے
دل کی کیا بات کہوں! ہم سے خفا رہتا ہے

دوستو تم میرے چہرے کو تو پڑھ کر دیکھو
میرا ہر درد تو چہرے پہ لکھا رہتا ہے

جب بھی چاہے گا میرا رب تو چھٹ جائے گا
غم کا بادل جو میرے دل پہ رکا رہتا ہے

دل کی بستی کبھی ویران نہیں ہوسکتی
میرے دل میں میرا رحمان خدا رہتا ہے

گزرے لمحوں کی ستاتی ہیں جو یادیں اکثر
اک خنجر سا میرے دل میں چبھا رہتا ہے

کون چاہے گا کہ میرے غم کا مداوا مقصودؔ
آستینوں میں یہاں سانپ چھپا رہتا ہے

منیر باجوہ

محبت میں دل یہ دیوانہ ہوگیا ہے
اب تو یہ قصہ بھی پرانا ہوگیا ہے

دل ہے کہ قابو میں رہتا نہیں اب
جانا تیری گلی میں بہانہ ہوگیا ہے

جھجکتے رہتے تھے پہلے بہت ہم
اب تو روزانہ آنا جانا ہوگیا ہے

پیار یار جانی کا ملا یوں ہمیں
ہمارے لئے عمر کا خزانہ ہوگیا ہے

جب سے تیری زلف کے اسیر ہوئے ہیں
جہان سارا ہم سے بیگانہ ہوگیا ہے

عشق تجھے کیسے دکھائیں ہم دل
پاکے تجھے ویری زمانہ ہوگیا ہے

عشق تیری راہوں میں بھٹکے رہے ہم
جیوَن بھی منیرؔ فسانہ ہوگیا ہے

افتخار راغبؔ دوحہ قطر

شامِ غم کی نہیں سحر شاید
یوں ہی تڑپیں گے عمر بھر شاید

حالِ دل سے مِرے ہیں سب واقف
ایک تو ہی ہے بے خبر شاید

روز دیدار تیرا کرتا ہوں
تجھ کو حیرت ہو جان کر شاید

وہ بھی میرے لیے تڑپتے ہوں
ایسا ممکن نہیں مگر، شاید

شاخِ اُمیّد سبز رکھتے ہیں
آ ہی جائے کوئی ثمر شاید

دل تو کر لے گا ضبطِ غم راغبؔ
ساتھ دے گی نہ چشمِ تر شاید

ڈاکٹر عبدالکریم خالد

میری آنکھیں تجھے تکتے جھپکنا بھول جائیں تو
ضروری ہوں وہی باتیں جو کہنا بھول جائیں تو

اگر معلوم ہو جائے کہ اس شہرِ خرابی میں
مسافر بیچ چورا ہے رستہ بھول جائیں تو

زمانہ خوب واقف ہے تیری ساری اداؤں سے
اگر ہم عشق کی خاطر سے مرنا بھول جائیں تو
ذرا سی دیر کو مل کر قدم جنبش میں لے آئیں
اور اس پر ہم اچانک رقص کرنا بھول جائیں تو
فضاؤں میں اُڑے پھرتے ہیں حیرانی کے عالم میں
اگر پر ٹوٹ جاتے ہیں یا اُڑنا بھول جائیں تو
ترا اُس شخص سے خالدؔ تعلق بھی نہیں ایسا
مگر جب دھڑکنیں مل کر دھڑکنا بھول جائیں تو

شفیق مراد

صفحۂ دل پہ ترا نام لکھا تھا میں نے
آنسوؤں سے تری قسمت کو تھا تحریر کیا
تو نے ہی عشق کے منصب کو نہ جانا جاناں
میں نے تو ارض وسماں سب تھا ترے نام کیا
رُوپ رب کا بھی کہا تھا تجھے دیوی بھی کہا
تیری پوجا کو ہی تھا زیست کا حاصل سمجھا
تو نے ہی ترک ملاقات کے انعام دیئے
تو نے ہاتھوں سے محبت کا گلا گھونٹ دیا
کالے پانی کے سفر پر مجھے بھیجا تو نے
اپنے یوسف کو ہی نیلام کیا ہے تم نے
پھر بھی یوسف تری زلفوں کا طلبگار ہے
آج ”دلی“ عاجزی کے ساتھ

طفیل عامر

قول و قرار کی بات تھی
یعنی کہ یار کی بات تھی
اک جاں گنوا بیٹھا جو میں
یہ اعتبار کی بات تھی
پھر جو کنارا کش ہوا
کہ بے شمار کی بات تھی
کچھ اور کرتا بھی تو کیا
کہ بار بار کی بات تھی
کیا دیدنی تھا بانکپن
کیا سوئے دار کی بات تھی
تھے سارے منظر آنکھ میں
اس رہگزار کی بات تھی
وہ ہی میرا تھا جو نہیں رہا
اس غمگسار کی بات تھی
جو کبھی سنی ہی نہ گئی
مجھ اشکبار کی بات تھی

تم ہی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

احکم غازی پوری

ہمارے رہنما ہوکر ہمیں زندہ جلاتے ہو
گنہ جن کا نہیں کوئی لہو اُن کا بہا تے ہو
اگر سچ بول دے کوئی تو پھانسی پر چڑھاتے ہو
تعجب ہے اہنسا کا بھی تم نعرہ لگاتے ہو
کبھی حالات پر تم ٹھنڈے دل سے غور فرماؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

عجب سازش بناتے ہو عجب چکّر چلاتے ہو
کہیں کچھ ہو ہمارے نوجوانوں کو پھنساتے ہو
کبھی انکاؤنٹر کے نام پہ لاشیں بچھاتے ہو
سیاست کے لئے تم جابجا دنگے کراتے ہو
خدارا حرکتوں سے اب بھی اپنی باز آجاؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

اب حملے ہو رہے ہیں مسجدوں پر آستانے پر
ہمیں کیا ہیں مندر بھی ہمارے ہیں نشانے پر
اُتارو ہے زمانہ اک ہمیں نیچا دکھانے پر
لگی ہے ساری دنیا کیوں ہمیں کو آزمانے پر
اُتارو نشہ فرقہ پرستی ہوش میں آؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

ہمیں تم چین سے کیوں ملک میں رہنے نہیں دیتے
ہماری بات بھی کھل کر ہمیں کہنے نہیں دیتے
رلاتے ہو ہمیں اور اشک بھی بہنے نہیں دیتے
خوشی سے ہمیں تم ظلم بھی سہنے نہیں دیتے
برائے عدل تھوڑی دور تم بھی ساتھ آجاؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

کرے کوئی مگر ہم پہ ہی کیوں الزام آتا ہے
دلائل کام آتے ہیں نہ رونا کام آتا ہے
کبھی عاطف کبھی عارف کبھی صدام آتا ہے
دھماکہ ہو کہیں اُس میں ہمارا نام آتا ہے
ہمارے ملک کے رہبر ہو تم انصاف دلواؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

ہمیں کو لوٹا جاتا ہے ہمیں کو جیل ہوتی ہے
ہماری موت بھی گویا سیاسی کھیل ہوتی ہے
گزارش منصفوں کے سامنے سب فیل ہوتی ہے
نہ ثابت جرم ہوتا ہے نہ اپنی بیل ہوتی ہے
ہماری بھولی بسری جو خطا ہے سامنے لاؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

جو دہشت گرد ہم میں ہیں اُنہیں بیشک برا سمجھو
مگر یہ کیا ضروری ہے کہ سب کو بے وفا سمجھو
خطائیں کرنے والوں کی خطائیں برملا سمجھو
بُرے ہیں تو بُرا سمجھو بھلے ہیں تو بھلا سمجھو
مگر مجرم کسی بھی قوم کو تنہا نہ ٹھہراؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

مسلمانوں میں دہشت گرد جو ہیں اُن پہ بھی لعنت
بُرائی کرنے والے فرد جو ہیں اُن پہ بھی لعنت
بہت ظالم بہت دل سرد جو ہیں اُن پہ بھی لعنت
ستمگر ہیں بہت بے درد جو ہیں اُن پہ بھی لعنت
ہماری بات گر اچھی لگے تو تم بھی اپناؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

وہ ظالم کون تھے اور کیسے گاندھی پر چلی گولی
بتا کس نے کھیلی اندرا جی کے خون سے ہولی
وہ جس نے مارا تھا راجیو کو وہ کس کی تھی ٹولی
تمہیں کیسے کہیں تم نے تو بولی امن کی بولی
وہ ظالم کون تھے ہم کو ذرا وہ نام بتلاؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

حفاظت ملک کی کرتے رہے چٹّان بن کر ہم
حمیدِ صف شکن بنکر کبھی عثمان بن کر ہم
چڑھے دشمن کی چھاتی پر سدا طوفان بن کر ہم
ہم اکرم ہیں رہیں گے اکرمِ ذیشان بن کر ہم
صداقت ہے ہماری بات میں انصاف فرماؤ
چلو ہم کچھ نہیں کہتے بتاؤ تم ہی بتلاؤ
کہ ہم آتنک وادی ہیں

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

اطلس و کمخواب و ریشم کیا کریں
آفتاب و ماہ کو ہم کیا کریں
جب دلوں میں پیار کی دولت نہیں
ڈالر و دینار و درہم کیا کریں
بجھ رہے ہیں ہولے ہولے سب چراغ
چل رہی ہے سانس مدہم کیا کریں
قہقہے جب ان فضاؤں میں نہیں
ہنستی کلیاں، روتی شبنم کیا کریں
داستانِ عشق ہے الجھی ہوئی
سوچتے ہیں کیا کریں ہم کیا کریں
جب مقدر میں لکھی ہیں ہجرتیں
دوریوں کا پھر بھلا غم کیا کریں
کیسی پھیلی ہیں وبائیں ہر طرف
آج گھر گھر میں ہے ماتم کیا کریں
ہاتھ ہم تجھ سے ملانے سے رہے
اور اب یہ فاصلہ کم کیا کریں
جب گلے تجھ کو لگا سکتے نہیں
گنگ تصویروں کا البم کیا کریں
تجھ سے ملنے کی نہیں امید جب
دلکش و شاداب موسم کیا کریں
یہ دکھوں کا راستہ کٹتا نہیں
وقت کی ہے چال مدہم کیا کریں
زیست میں جب کوئی بھی فرحت نہیں
پھر بتا اے میرے ہمدم کیا کریں

آفتاب شاہ

فکر غالب کی ترا عشق ہے مومن جیسا
داغ کا چرچا بھی دن رات بہت کرتا ہے
درد کے درد کی شدت سے نا مر جائے تُو
میر کا غم بھی لیے دل میں تُو تو پھرتا ہے
روگ تجھ کو بھی کوئی لگتا ہے آتش جیسا
کون شعروں میں بتا سوز ترے بھرتا ہے
جرات و انشاء بھی شامل ہیں تری شوخی میں
رنگ ناصر کا بھی لفظوں پہ ترے چڑھتا ہے
تُو نے اقبال کو پرکھا ہے خودی میں اپنی
تیرا شاہین سدا خود سے ہی تو لڑتا ہے

پنجابی زبان کے قیمتی اقوال

میرا آکھا مَن لے پُترا
ھَر گل پلے بَنھ لے پُترا
موڑاں والی راہ نئیں چنگی
نِت بیگانی چاہ نئیں چنگی
اَصلوں ہولا دِل نئیں چنگا
بہتا وڈا تِل نئیں چنگا
بوھتی کِھلری وَل نئیں چنگی
کنڈوں اوھلے گل نئیں چنگی
تِڑھ کے ماری چھال نئیں چنگی
بوھتی لمی کال نئیں چنگی
رُکھاں تھلے چُج نئیں چنگا
ڈھیر فسادی سَچ نئیں چنگا
کُکھاں نیڑے اَگ نئیں چنگی
سِر توں بھاری پگ نئیں چنگی

بے قدرے دی کھوہ نئیں چنگی
بدو بَدِی دی موہ نئیں چنگی
اِس توں پچھے ہور نُوں پھڑیئے
پہلاں گھر دے چورنُوں پھڑیئے
کرنی اَنت اَخیر نئیں چنگی
کُتیاں اگے کھیر نئیں چنگی
لڑ کے کیتی وَنڈ نئیں چنگی
لُون دے نیڑے کھنڈ نئیں چنگی
مَنکوِیں سوچ تے چُک نئیں چنگی
سَٹ کے چٹنی تُھک نئیں چنگی
کچی پلی رُت نئیں چنگی
سب نُوں دِسدی گُت نئیں چنگی
اَکھاں دے وِچ قہر نئیں چنگا
جِبھ وِچ بھریا زہر نئیں چنگا
یُوں تُوں تے تکرار نئیں چنگی
ھَٹ کے بیٹھی نار نئیں چنگی
وَکھریوَ کھری تَون نئیں چنگی
ایویں کرنی چَون نئیں چنگی
جیٹھ ھاڑ دی دُھپ نئیں چنگی
مَوتاں ورگی چُپ نئیں چنگی
رَستے دے وِچ بیر نئیں چنگی
صُلح وِچ کرنی دیر نئیں چنگی
اے گلاں جے بُھل جاویں گا
پُترا جَگ تے رُل جاویں گا

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

م۔مبرور

ہم سے واللہ کچھ وفا نہ ہوا
دشتِ بنجر میں پھول کھلنے لگے
مجھ سے گلشن کبھی ہرا نہ ہوا

جس میں وصلِ خدا کی آس لگی
وہی سجدہ کبھی ادا نہ ہوا
کرکے بھی کچھ نہ کر سکے یارو
زندگی میں تو کچھ نیا نہ ہوا
زندگانی ہے مختصر سی بہت
غفلتوں میں رہے یہ وا نہ ہوا
سارا جیون عبث ہی گزرا ہے
ایک یہ دکھ ہی بس سہا نہ ہوا
جو کیا تھا صلہ اسی کا ملا
غیر سے کوئی بھی گلا نہ ہوا
کیا کہوں میں سناؤں دکھڑا کسے
کوئی اپنا مرے سوا نہ ہوا
کس کے آگے کروں فغاں مولا
دردِ دل کی جو تو دوا نہ ہوا

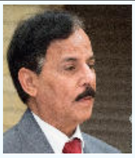

طفیل عامر

میں رعیت، مختاری اوہدی
مطلب، مرضی ساری اوہدی
گل نصیباں دی کوئی ہوندی
لے گئی ساتھوں یاری اوہدی
سر نہ ساتھوں چکن ہوندا
جے نہ کھلے باری اوہدی
میں ورگے سبھ ننگ پہ ننگے
آوندی کم ستاری اوہدی
میں تے لٹ لٹا کے بیٹھا
ویکھو! بے اعتباری اوہدی
آخری ساہواں تک نہ بھلے
صورت اپنی پیاری اوہدی
اپنا کم اے جان لٹائیے
باقی ذمہ داری اوہدی
راہ ڈکے مجبوری عامر!
ویکھ کے نین خماری اوہدی

عبدالحمید حمیدی کینیڈا

میں کس سے کروں بات مرا چاند کہاں ہے
کوئی عید نہ شب رات مرا چاند کہاں ہے
خوش رنگ کھلے پھول نہ مہکی ہیں ہوائیں
گلشن پہ ہیں صدمات مرا چاند کہاں ہے
چپ بانسری کی لے ہے تو کوئل نہ کوکتی
کچھ سوز نہ نغمات مرا چاند کہاں ہے
اک دابہ ارضی ہے ذرا باغی و سرکش
بکھرا گیا ظلمات مرا چاند کہاں ہے
صدیوں میں یہ تاروں بھری بارات سجی ہے
اے چودھویں کی رات مرا چاند کہاں ہے
کچھ ہوش کرو اہلِ خرد وقتِ جنوں ہے
اب بدلے ہیں حالات مرا چاند کہاں ہے
پلتی ہے نہاں خانے میں حسرت یہ حمیدیؔ
اک دید کی سوغات مرا چاند کہاں ہے
کچھ بھی نہیں اب پاس سوا اس کے حمیدیؔ
اک دیدہ نمناک مرا چاند کہاں ہے

ڈاکٹر ظفر جاذب

جس قبیلے کے مکینوں میں دھڑے ہوتے ہیں
اس کے حالات بھی دشوار وکڑے ہوتے ہیں
اپنا دکھ، درد بھی ہم ان کو سنا لیتے ہیں
وہ جو آنگن میں گھنے پیڑ کھڑے ہوتے ہیں
گھر سے نکلیں تو مرے شہر کے فٹ پاتھوں پر

رنج و آلام کے کردار پڑے ہوتے ہیں
کوئی صورت ہی نہیں ان کو اتاریں کیسے
ملک پہ روز نئے قرضے چڑھے ہوتے ہیں
نام کرتے ہیں وہی دنیا میں روشن جاذب
وہ جو حالات کی چکی میں بڑھے ہوتے ہیں

عاصی صحرائی

ترے مقام میں کیا کمال رکھا ہے
ترے نام میں حسن و جمال رکھا ہے
تری جبیں ہے چاند کی مثل روشن
سراجِ منیر کی بنا کے مثال رکھا ہے
تمہارے چہرے پہ قرآن مسکراتا ہے
تمہیں خدا نے محبت میں ڈھال رکھا ہے
سجا ہوا ہے شرافت کا تاج سر پہ ترے
جسے محبت نے بڑھ کر سنبھال رکھا ہے
تیرے چہرہ اقدس پہ آئینوں کا وجود
مرے خدا نے تجھے بے مثال رکھا ہے
یہ ماں کی ہستی ہے جس میں خدائے وجیہ نے
خود اپنے نور کا حسن و جمال رکھا ہے
یہ مرتبہ بھی کوئی کم نہیں مرے عاصؔی
کہ ماں کے قدموں میں جنت کو ڈال رکھا ہے

شارق ریاض۔کولکاتا

چاہتا ہے وہ عمر بھر موقع
اور موقعے کے نام پر موقع
اس کو ضائع نہیں کروں گا میں
ہو میسر مجھے اگر موقع
جو بھی کہنا ہو وہ ابھی کہہ دو
آگیا ہے یہ خوب تر موقع
اس کو ملتی نہیں کبھی شہرت
اس کو ملتا نہیں اگر موقع
مجھ کو دنیا میں نام کرنا ہے
ڈھونڈتی ہے مری نظر موقع
میں نے رشتہ انا میں توڑا تھا
اس نے مجھ کو دیا مگر موقع
اب تو شارق یہی تمنا ہے
مجھ کو مل جائے مختصر موقع

عبدالکریم خالد

رات گزرے گی تو خوابوں سے نکل آئیں گے ہم
مل ہی جائیں گے تمہیں دشتِ تمنا میں کہیں
زندگی ہم نے گزاری ہے یوں عجلت میں یہاں
یاد آئی بھی تو اتنی کہ ہمیں یاد نہیں

منیر باجوہ

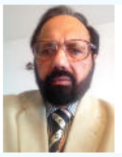

نگاہوں میں اُترنا چاہتا ہے
وہ گر کر پھر سنبھلنا چاہتا ہے
زمانے بھر کے فرسودہ طریقے
کوئی انکو بدلنا چاہتا ہے
محبت کا دیا مَن میں جلا کر
میرا دل خود پگھلنا چاہتا ہے
مجھے عشق حقیقی سے لگن ہے
میرا انگ انگ سنورنا چاہتا ہے
ترقی کی نئی منزل کو پا کر
حزیں دل اب بہلنا چاہتا ہے
محبت سے سجے رنگین نغمے
انہیں دل گنگنانا چاہتا ہے
کوئی بھی دور آئے زندگی میں
منیر ہنس کر نبھانا چاہتا ہے

آفتاب شاہ

ستم کشی کی اسیری میں سمتِ شام ہوا
فراقِ یار کی خوشبو نے شورِ جولاں کو
فشارِ ضعف میں ڈھالا تو رفتِ شام ہوا
جگر خراش ہوا دل تو بے مزہ نہ ہوا
چٹک کے غنچۂ دل میرا دستِ شام ہوا
سراپا ساز ازل ہوں تو سوزِ یار کہاں
غمِ زمانہ سے چھوٹا تو وقتِ شام ہوا
قفس کی قید میں سو موجِ رنگ کا دھوکہ
دہر کی قید میں ٹھہرا تو پرتِ شام ہوا
ہجومِ غم نے رفو زخم کو کیا ایسے
میں خار خار ہوا اور بختِ شام ہو

طارق انور باجوہ

وہ بظاہر عیاں نہیں ہوتا
پھر بھی دل سے نہاں نہیں ہوتا
جلوہ حسن دیکھ لے تو کون
عشق میں نیم جاں نہیں ہوتا
دردِ دل ہر کسی سے کیا کہنا
ہر کوئی راز داں نہیں ہوتا
جب زمیں سجدہ گہ نہیں ہوتی
آسماں سائباں نہیں ہوتا
بولتا ہے وہ جس سے جب چاہے
وہ خدا بے زباں نہیں ہوتا
ہم نصیب اپنا آزمائیں گے

دوستانہ کہاں نہیں ہوتا
کامیابی عمل سے ملتی ہے
ہم سے کیوں امتحاں نہیں ہوتا
رہنما تیز گام ہو جس کا
سست وہ کارواں نہیں ہوتا
ہے یقیں مجھ پہ ہے یقیں اس کو
مجھ سے وہ بد گماں نہیں ہوتا
کیا بھروسہ کریں ہواؤں پر
ناخدا بادباں نہیں ہوتا
دل دھڑکتا تھا دیکھ کر اس کو
اب وہ شور و فغاں نہیں ہوتا
کیوں خزاں آگئی بہاروں میں
کیوں ہرا گلستاں نہیں ہوتا
جس میں پاتا نہیں سکون مکیں
گھر کبھی وہ مکاں نہیں ہوتا
مشورہ، جس میں ہو خلوصِ دل
وہ کبھی رائیگاں نہیں ہوتا
صحبتیں اپنا رنگ لاتی ہیں
دل میں عشقِ بتاں نہیں ہوتا
جا کے واپس کبھی نہ وقت آئے
کوئی بوڑھا جواں نہیں ہوتا
اور ہاتھوں میں ہے یہ کاروبار
یونہی سود و زیاں نہیں ہوتا
کچھ تو جلنے کی بُو بھی آتی ہے
بے سبب تو دُھواں نہیں ہوتا
حیف وہ شخص جس کے مرنے پر
کوئی نوحہ کناں نہیں ہوتا
سب کو مرنا ہے ایک دن طارق
کوئی بھی جاوداں نہیں ہوتا

شازیہ عالم شازی
(کراچی پاکستان)

زندگی کے سفر میں ساتھ ہو تم
میرا دل، میری کائنات ہو تم
دیکھ کر جس کو دیکھتی ہی رہوں
وہ سحر وہ حسین رات ہو تم
تم ہی سب کچھ ہو جو بھی کچھ ہو مرے
میری جیت اور میری مات ہو تم
مدل ہو بیکل جو بات سننے کو
وصل کی، پیار کی وہ بات ہو تم
جس سے روشن ہو یاد کا آنگن
ہاں ستاروں کی وہ برأت ہو تم
تم سے دُوری کا کس طرح سوچوں
اے مری جاں! مری حیات ہو تم

شفیق مراد۔ جرمنی

سنورنے اور بگڑنے میں بتا دی زندگی میں نے
کبھی کی بندگی میں نے کبھی کی عاشقی میں نے
پھر اس کے بعد شہرِ دل کا موسم ہی نہیں نکھرا
مزاجِ یار میں دیکھی تھی اک دن بے رخی میں نے
نہ اب وہ جام ہے ساقی نہ کوئی زیست کا ساماں
خمارِ عشق میں چھوڑی تھی اک دن مے کشی میں نے
کبھی میں ان کی آنکھوں میں ابھرتا چاند تھا یارو
اور اب ان کی نگاہوں میں ہے کھودی دلکشی میں نے
لبِ خاموش پر رقصاں بلا کی اک خطابت تھی
لہو کے ساتھ رگ رگ میں سنی تھی سنسنی میں نے
مراد اک چاند میرے گھر میں پہلی بار اُترا تھا
پھر اس کے بعد تو گھر میں بسا لی چاندنی میں نے

حسن انتخاب
مبشر شہزاد گلاسگو

جب سانس بھی تیری اپنی نہیں
جب جسم بھی تیرا فانی ہے
جب وقت کو بھی نہ روک سکے
جب موت بھی تجھ کو آنی ہے
کس بات پہ تو اِتراتا ہے
دھن و دولت حسن جوانی سب
آخر کو دغا دے جائیں گے
یہ عیش و طرب یہ ہنگامے
سب ماضی میں کھو جائیں گے
کس بات پہ تو اِتراتا ہے
یہ دوست تیرے یہ میت تیرے
سب بیگانے ہو جائیں گے
یہ پیار کے دعویدار سبھی
کچھ تیرے کام نہ آئیں گے
کس بات پہ تو اِتراتا ہے
جب آنکھ تیری مُند جائے گی
اور لب تیرے سِل جائیں گے
یہ پیار کے دعویدار سبھی
کچھ تیرے کام نہ آئیں گے
کس بات پہ تو اِتراتا ہے
جب آنکھ صدا بن جائے گی
جب آنکھ صدا بن جائے گی
جب ہاتھ تمہارے بولیں گے
تو کس رستے کس پاس گیا
یہ پاؤں تمہارے بولیں گے
کس بات پہ تو اِتراتا ہے
یہ محل یہ تیری جاگیریں
یہ ارمانوں کی زنجیریں
یہ تیرے ساتھ نہ جائیں گی
خواہش کی سنہری تصویریں
کس بات پہ تو اتراتا ہے

وائس آف ٹائم قائداعظم اور بوٹ پالش

صاحب بوٹ پالش کرا لو

رانا محمود احمد صاحب ایڈووکیٹ

قائد،تم کون ہو؟ صاحب، میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فرسٹ ایئر کا طالب علم ہوں۔قائد، بوٹ پالش کیوں کرتے ہو؟ صاحب، میں ایک غریب طالب علم ہوں اور اپنی پڑھائی کے اخراجات پورے کرنے کیلئے بوٹ پالش کرتا ہوں۔قائد، بوٹ پالش کرنا آپکے نزدیک معیوب نہیں؟“ جی صاحب، میں اسے معیوب سمجھتا تو ہوں لیکن کیا کروں مجبور ہوں۔ ”قائد۔غریب ہونا کوئی جرم نہیں اور اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔میں خود ایک متوسط درجے کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور میرے والد کوئی امیر آدمی نہ تھے۔پھر فرمایا، میں علی گڑھ کے ایک طالب علم کا یہ جذبہ دیکھ کر بہت خوش ہوں کہ وہ اپنے تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کیلئے بوٹ پالش کرتا ہے۔“ یہ مکالمہ سندھ کے علاقے شکار پور سے تعلق رکھنے والے غلام صابر انصاری اور قائداعظم رح کے درمیان بمبئی کے تاج ہوٹل کے لاؤنج میں ہوا۔اس مکالمے کو ایک معروف پاکستانی مؤرخ اور سکالر منیر احمد منیر نے قلمبند کیا ہے۔قائداعظم اپنی قوم کے افراد کو اور بالخصوص عام عوام کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔وہ مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی پر ہمیشہ متفکر رہتے اور انہیں کاروبار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے میں بہت زور دیتے۔ساتھ ہی ساتھ قائد سرمایہ داروں اور زمینداروں کو بھی متنبہ فرماتے کہ وہ عام عوام کے استحصال سے باز رہیں۔قائد کا یہی وہ ادھورا خواب تھا جسکا تذکرہ یہاں برطانیہ میں متعین سابقہ سفیرِ پاکستان واجد شمس الحسن کے بھائی خالد شمس الحسن نے اپنی تالیف” قائداعظم کا ادھورا خواب“ میں کیا ہے۔قائد کے نزدیک کوئی بھی کام حقیر نہ تھا بلکہ وہ ایسے اشخاص کی حوصلہ افزائی فرماتے جو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کیلئے بوٹ پالش تک کو ذریعہ معاش بناتا ہے۔آپ اس بات سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب بھی کوئی مسلمان مسلم لیگ کا کُل وقتی کارکن بننے کی پیش کش کرتا تو قائداعظم سب سے پہلا سوال یہ پوچھتے کہ تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے اور اس بات کی تسلی کر لینے کے بعد کہ اُس کے کُل وقتی کارکن بننے سے اُسکے گھر والوں کے نان ونفقہ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا تو اُسکی پیشکش قبول فرما لیتے۔بسا اوقات ہمارے نوجوانوں کی اکثریت اپنا من پسند کام ملنے تک ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور معمولی کام کرنے کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں جبکہ محنت میں ہی عظمت ہے اور کسی بھی کام کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔آپ یہاں برطانیہ میں رہنے والے کامیاب افراد کی اکثریت کو دیکھ لیجیے کہ آغاز میں اُنہیں معمولی کام کرنا پڑے۔کسی نے پیزا ڈیلیوری کی تو کسی نے ریسٹورینٹ میں ویٹر کا کام کیا اور کسی نے ٹیکسی چلانے کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور کامیابی کی منازل طے کیں۔قائداعظم نے 5 نومبر 1944ء کو اکنامک پلاننگ کمیٹی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا مقصد امیر کو امیر تر بنانا اور چند افراد کے ہاتھوں دولت کے انبار لگانا نہیں بلکہ ہماری توجہ عوام الناس کا عمومی معیارِ زندگی بہتر اور مساویانہ بنانے پر ہونی چاہیے۔کالم تھوڑا سنجیدہ ہو گیا، آپ کی تفریحِ طبع کیلئے اور ٹیکسی کو ذریعہ معاش بنانے والے دوستوں کی خدمت میں بالخصوص۔برطانیہ میں رہنے والے ایک معروف شاعر اور ہمارے دوست مبارک صدیقی صاحب کے چند مزاحیہ اشعار۔

پنجرے دے وچ پھڑک گئے آں
ٹیکسی کر کر کھڑک گئے آں
پائلٹ بنن دا شوق سی لیکن
ہر تھاں سڑکو سڑک گئے آں
سارے جوڑ ہلا بیٹھے آں
اسیں کتھے آ بیٹھے آں

اور آخری بات عرض ہے کہ وہی افراد اور قومیں ترقی کرتی ہیں جو محنت کو اپنا شعار بناتے ہیں کہ ارشادِ نبوی ہے۔الکاسب حبیب اللہ۔یعنی محنت کرنے والے کو اللہ اپنا دوست جانتا ہے۔

قریشی داؤداحمد ساجد

''سرراہ چلتے چلتے'' کی روشنی میں

تاثرات: شہزادہ قمرالدین مبشر (گلاسگو اسکاٹ لینڈ)

قریشی داؤداحمد ساجدؔ کا خمیر سیالکوٹ کے گردونواح کی اُس مردم خیزمٹی سے اُٹھا ہے جس نے آفاقِ ادب کو فیض واقبال جیسے گوہر آبدار وتابدار عطا کئے۔ موصوف کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں مذہب سے عقیدت، علم سے رغبت اور شعروادب سے چاہت ہوتی ہے۔ آپ کو مغربی افریقہ کے ملک گھانا (غانا) میں فروغِ اسلام کیلئے کی جانیوالی جدوجہد میں سات سال سے زیادہ عرصہ تک خدمت کی توفیق ملی۔ اس کے بعد لندن اور مانچسٹر میں خدمات سرانجام دینے کے بعد آج کل وہ اسکاٹ لینڈ کے تاریخی شہر گلاسگو میں خدمت کی توفیق پارہے ہیں۔

آپ ایک وسیع المشرب، کشادہ ذہن، منکسرالمزاج، دردمند، روادار، خوش رفتار، خوش گفتار اور انسانیت نواز قسم کے صاحب کردار انسان واقع ہوئے ہیں۔ انہیں زمانۂ طالب علمی سے ہی شعروشاعری کا چسکا پڑ چکا تھا۔ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں سے فراغت کے بعد فرصت کے لمحات میں وہ شعروشاعری بھی کرتے رہے۔ شہرت اور نام ونمود سے کوئی دلچسپی نہ ہونے کے سبب وہ شاعروں اور شعری نشستوں سے عام طور پر خود کو فاصلے پر ہی رکھتے ہیں لیکن اگر بِاصرار مشاعرے کی محفلوں میں مدعو کیا جائے تو بشکریہ خود سپُردگی بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی چند نظمیں اور غزلیں آفاقِ ادب میں ان کا شناخت نامہ بن چکی ہیں میں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ایوانوں میں بھی ان کے مداحوں کو ان کی تعریف کرتے سنا ہے۔ راقم السطور ان کے مداحوں میں سے ایک ہے اپنے علم وادب کے پروگرام جو کہ گلاسگو کے ریڈیو آواز ایف ایم سے نشر ہوتا ہے گاہے گاہے ان کا کلام پیش کرتا ہے۔ ان کے مداح اکثر ان کا کلام نشر کرنے کی فرمائش کرتے ہیں۔ ان کے گلاسگو آنے سے قبل رسائل اور اخبارات میں ان کی شعری تخلیقات سے متاثر ہوکر... اس وقت میں ان سے ملاقات کا متمنی رہا ہوں۔

علمی اور مذہبی نوعیت کی ترجیح مصروفیت میں گم رہتے ہوئے ادبی قسم کی تخلیقی سرگرمیوں کا مظاہرہ کرنے کے لئے انہیں بہت کم وقت نصیب ہوتا ہے۔ تنگیٔ اوقات کے باوجود انہوں نے جو شعری وادبی سرمایہ اردو ادب کو دیا ہے وہ کسی معرکہ سے کم نہیں۔ اگر وقت اجازت دیتا تو شاید ان کے تخلیقی گلزار کا کچھ اور ہی نقشہ ہوتا۔

موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے ان کا طرزِ نگارش روایت کی صالح اقدار کا پاسدار نظر آتا ہے۔ انہوں نے روایت کے پیمانے میں جدید موضوعات کی شراب ڈالنے کی کوشش کی ہے ان کے اشعار عصری زندگی کے تلخ وشیریں حقائق اور ارضی صداقت کے عکاس وترجمان نظر آتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر ان کی شاعری عہدِ جدید سے شاکی بھی ہے مگر اُس سے ہم آہنگ بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً ان کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اس عہد کا تو بھی حصہ ہے میں بھی اس عہد کا حصہ ہوں
جس عہد کی قدروں کو انساں سینے سے لگانا بھول گیا
وہ جس کی خاطر یہ بانہیں ہر وقت درازاں رہتی تھیں
یہ نئے عہد کا تحفہ ہے وہ ہاتھ ملانا بھول گیا

اور یہ شعر:

نئے عہد کی قید میں میرا دم گھٹ جائے نہ
مجھ کو اپنا حال پرانا اچھا لگتا ہے

غزل میں یوں تو تصوف اور نفسیات جیسے موضوعات کو بھی وسیلہ اظہار بنایا جاتا ہے مگر یہ بات بھی اپنی جگہ طے ہے کہ ''بنتی نہیں ہے بادہ ساغر کہے بغیر'' کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اصل شاعری تو حکایت بیار گفتن یا حدیث دل بہ دلبراں ہی ہے۔

ہر لفظ بھرے جام کی مانند ہے جس کا
ساجدؔ کے میخانے سے غزل آپ کیلئے

قریشی داؤداحمد ساجد کی شاعری میں قاری کو یہ تمام چیزیں پڑھنے کو ملیں گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ قریشی صاحب کے اولین شعری مجموعے ''سرِ راہ چلتے چلتے'' کو ادبی حلقوں میں بے حد پذیرائی نصیب ہوگی اور اسے قدرومنزل کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

مجھے شراب پِلا کر بے ایمان نہ کر ساقی
مدہوش ہی کرنا ہے تو محفل میں ذکرِ یار کر

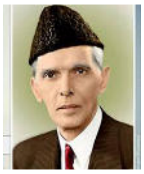

مشرقی اُفق - میر افسر امان

قائداعظم اور قومی زبان واقدار

قومی زبان اُردو کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے۔ تو ڈاکٹر عطا اللہ خان ’’اُردو فارسی کے رابط‘‘ ڈاکٹریٹ کے مقالے میں لکھتے ہیں کہ ہند سے ایک حکیم مدینہ میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا علاج کرنے مدینہ گئے تھے۔ بصرہ کی اسلامی چھاؤنی میں ہند کے سپاہی ہندی زبان بولتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ اُردو لشکری زبان مانی گئی۔ اُردو معلیٰ بھی ہے۔ یہ ریختہ بھی ہے۔ اُردو کی ترقی میں اہل زبان سے زیادہ پنجاب کے شہر لاہور نے حصہ لیا ہے۔ اُردو تحریک پاکستان کی زبان تھی۔ اُردو ہندوؤں کے متعصب روّیہ کے باجود بھارت کے ہر حصہ میں بولی جاتی ہے۔ بھارتی فلمی دنیا کی زبان اُردو ہے۔ پاکستان اور دنیا میں کثیر تعداد میں اردو اخبارات شائع ہوتے۔ بھارت میں اُردو کو مشاہیروں نے زندہ رکھا ہوا ہے۔ بھارت کی سب سے بڑی ویب سائٹ (سماعت گاہ) ریختہ کام کر رہی ہے۔ اُردو ساری دنیا میں مانی، جانی، پہچانی اور بولی جانے والی زبان ہے۔ دنیا کی زبانوں میں تیسری یا چوتھی بڑی زبان ہے۔ قیام پاکستان کے بعد بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے ڈھاکہ میں اعلان کیا تھا کہ پاکستان کی قومی سرکاری زبان اُردو اور صرف اُردو ہو گی۔ صوبے اپنے مقامی زبان رائج کر سکتے ہیں۔ اس ڈاکٹرائین کو عام کرنے اور تشریح کرنا مسلم لیگ کا کام تھا۔ مگر جہاں مسلم لیگ نے پاکستان میں اسلامی نظام رائج کرنے میں پس و پیش کیا وہاں اس ڈاکٹر ائین عام کرنے یعنی اُردو پورے پاکستان کے رابطے کی زبان ہے اس لیے اُردو ہی قومی زبان کے رائج ہونی چاہیے۔ یہ بات عام نہیں کی گئی کہ صوبے اپنے صواب دید پر اپنی مقامی زبانیں رائج کرنے میں آزاد ہیں۔ جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں بھارتی لابی نے بنگلہ زبان کی بنیاد پر بے اطمینانی پھیلائی گئی۔ ۱۹۵۶ء کے مشترکہ پاکستان کے آئین میں اُردو کو قومی سرکاری زبان تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی اُردو کے نفاذ کو تسلیم کیا گیا۔ اس کے سرکاری طور پر نفاذ کا وقت بھی دیا گیا تھا۔ پاکستان کی اعلی عدالت سپریم کورٹ نے بھی قومی زبان اُردو کے نفاذ کا حکم جاری کیا۔ پورے پاکستان میں مختلف تنظیمیں اُردو کے نفاذ کے لیے جدو جہد کرتی رہی ہیں۔۔ اُردو کے قومی زبان کے نفاذ کے لیے دوسری بہت سے تنظیموں کے ساتھ ساتھ تنظیم ’’تحریک نفاذ اردو‘‘ بھی اپنے طور پر اُردو کے نفاذ کے لیے مصروف عمل ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ پاکستان کے عوام کے رابطے کی زبان بھی اُردو ہے۔

اگر یہ سب کچھ ہے او صحیح ہے تو اُردو ہماری سرکاری، تعلیمی، پارلیمنٹ، عدلیہ اور حکومتی اداروں میں اس کے عملی نفاذ میں کیا رکاوٹ ہے؟۔ یہ کوئی راکٹ سائنس نہیں۔ سیدھی سے بات ہے۔ جن کے ہاتھ میں اقتدار ہے وہ اسکا نفاذ نہیں ہونے دیتے۔ کیوں نہیں ہونے دیتے۔ اس لیے نہیں ہونے دیتے کہ جیسے سیاستدانوں نے سیاست کو انڈسٹری بنایا ہوا ہے۔ ایک سیٹ پر کروڑوں لگاؤ۔ الیکشن جیتنے کے بعد اربوں کی کرپشن کرو۔ جب کوئی سیاسی پارٹی اقتدار میں آتی ہے تو وہ بحیثیت پارٹی کرپشن کر کے غریب عوام کے خزانے کو اپنے باپ کا مال سمجھ کر لوٹتی ہے۔ انہیں ہمیشہ لوٹ مار سے مطلب رہا ہے۔ قومی زبان سے کچھ لینا دینا نہیں۔ اسی طرح انگریز کے بنائے ہوئے کالے انگریز جو بیوروکریسی کے روپ میں اپنی اور اپنے اولاد کے مستقبل سنوارنے کے لیے اُردو کے نفاذ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ مقابلے کے سارے امتحانات انگریزی زبان میں ہوتے۔ ان کے بیٹے کرپشن کے پیسے سے، اے اور او لیول پاس کر کے پھر انگریزی بولتے ہیں اور امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور عوام کے سروں پر سوار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس ملک کی بیوروکریسی اُردو کے عملی نفاذ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ آج مقابلے کے امتحانات قومی زبان اُردو میں کر دیں۔ کل اُردو نفاذ ہو جائے گی اور بیوروکریسی اپنے بچوں کو اُردو میں تعلیم دلانی شروع کر دے گی۔ غلام ذہن نے اُردو کا نفاذ نہیں ہونے دیا۔ پنجاب میں شہباز شریف نے اپنے دور میں محکمہ تعلیم کے لیے برطانیہ کے ایک فرد کو مشیر لگایا۔ اس نے اپنی حکومت سے امداد دلائی۔ پرائمری اسکوں میں انگلش رائج کر دی گئی معصوم بچے گھروں میں مادری مقامی زبانوں میں بات کرتے ہیں۔ باہر کھیل کے میدان میں رابطہ کی زبان اُردو بولتے ہیں۔ اسکول میں انگریزی سیکھ کے آتے ہیں۔ معصوم بچوں کے ذہن پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ پرائیویٹ اسکولوں نے پیسے کمانے کے لیے مصنوعی انگلش میڈیم اسکول بنائے ہوئے ہیں۔ یہ قوم کی خدمت نہیں پیسہ کمانے کی تجارت ہے۔ قومی زبان اُردو کے نفاذ میں یہ پرائیویٹ اسکول بھی رکاوٹ ہیں۔

اب حکومت نے یکساں کوئی تعلیمی نصاب کے بہانے ڈکٹیٹر مشرف دور

کا بنائے ہوئے تعلیمی نصاب میں کچھ تبدیلی کے بعد نفاذ کرنے کا اعلان کیا ہے۔اس میں مکمل طور پر قومی زبان اُردو کے نفاذ کا کوئی بھی کام نہیں۔اعلی عدالت سپریم کورٹ ابھی بھی انگریزی مین ہی فیصلے لکھ رہی ہے۔بیوروکریٹ اب بھی اُردو کے عملی نفاذ میں رکاوٹ ہیں۔جب تک ہماری لیڈرشپ امریکہ اور آئی ایم ایف سے جان نہیں چھڑاتی اور ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں کرتی۔اس وقت تک اُردو نافذ نہیں ہو سکے گی۔انگریز جب حکمران تھا تو مسلمانوں کا فارسی زبان سے رابطہ ختم کرنے کے اُردو کالج قائم کیا تھا۔پھر اس بہانے انگریزی رائج کر دی۔لارڈ میکالے نے ایسا نظام تعلیم بنایا کہ لوگ انگریز تو نہیں بنے۔مگر کالے انگریز ضرور بن گئے۔پھر لوگ بچوں سے کہنے لگے کہ میٹرک کر لو کہیں نوکری مل جائے گی۔

بات یہ ہے کہ جب اقتدار ملتا ہے تو تب ہی قومیں اپنے روایات، زبان، تہذیب، کلچر، تمدن اور مذہب پر قائم رہ سکتی ہیں۔اقتدار بھی جدو جہد سے ہی ملتا ہے۔اسی لیے اُردو کے عملی نفاذ کے لیے جو تنظیمیں کوششیں کر رہی ہیں وہ یقیناً قابل تعریف ہیں۔حکومت نے بھی اُردو نفاذ کے لیے ایک کمیٹی بنائی ہوئی ہے۔مگر وہ کمیٹی کمیٹی والا کھیل ہی ہے۔جرأت کی ضرورت ہے۔اگر عمران کے خان ایک سرکلر سے اپنے حکومتی پروگرام اُردو میں کرا سکتے ہیں۔تو پھر ان کو حکم جاری کرنا چاہیے کہ حکومت کے سارے اداروں میں ایک ماہ کے اندر اندر قومی زبان اُردو کے نفاذ کرنے کے انتظامات شروع کر دیئے جائیں۔پھر دیکھیں قومی زبان اُردو رائج ہوتی کہ نہیں؟ ٭٭٭

سیاست کا راز

میں نے اپنے بیٹے سے کہا تم میری پسند کی لڑکی سے شادی کرو گے؟

اس نے کہا: نہیں....!! میں نے کہا: وہ بل گیٹس کی بیٹی ہے۔

اس نے کہا: ٹھیک ہے کر لوں گا۔پھر میں نے بل گیٹس کو کال کی اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ تمہاری بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے ہو جائے۔اس نے کہا: بالکل نہیں۔میں نے کہا۔میرا بیٹا ورلڈ بینک کا چیئرمین ہے۔بل گیٹس نے کہا: اچھا پھر ٹھیک ہے۔اسکے بعد میں نے ورلڈ بینک کے صدر کو کال کی اور کہا: تم میرے بیٹے کو ورلڈ بینک کا چیئرمین بنا دو۔اس نے کہا۔نہیں ہو سکتا میں نے کہا: میرا بیٹا بل گیٹس کا داماد ہے۔اس نے کہا اوہ اچھا، پھر صحیح ہے۔سیاست اس طریقہ کار پر چلتی ہے۔

گِنتی ۔مبشرہ ناز

عجیب شخص تھا مسافر تھا شاید، پچھلے کچھ دنوں سے مسجد میں رہ رہا تھا، سنا تھا مولوی صاحب کا بھانجا ہے۔مولوی صاحب کا مہمان سر آنکھوں پر روزانہ کوئی نہ کوئی کھانا دے جاتا مگر میری عبادت میں خلل پڑتا میں اکثر رات نماز کے بعد مسجد میں ٹھہر جایا کرتا تھا۔جب سے منیر احمد کی ماں گزری تھی دل مسیت سے جُڑ گیا تھا۔مگر اس مسافر نے بہت تنگ کر رکھا تھا روزانہ رات کو اونچی آواز میں کسی سے باتیں کرنے لگتا۔تُو جان ہے میری فکر کیوں کرتی ہے۔جلدی آؤں گا اچھا اب سو جا، میری جان نہیں۔اچھا دیکھ تیرے لیے گجرے لاؤں گا اور چوڑیاں بھی۔تھوڑی دیر بعد پھر گھنٹی بجتی اور پھر وہی عاشق معشوق شروع ہو جاتی۔روتی کیوں ہے ری مسافر کی آواز نم ہو جاتی۔پھر جلدی سے جیب سے چوڑیاں نکال کر کھنکھنانے لگتا دیکھ تیری پسند کی چوڑیاں لایا ہوں۔محبت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔پھر لہجہ بدل جاتا شکر لہجہ نمکین ہو جاتا ماسی امانت ہے تیرے پاس خیال رکھنا، سر میں تیل ڈال دے نیند آ جائے گی۔ٹانگیں دبا دے تھک گئی ہوگی صبح سے کئی چکر بُوہے کے مارے ہوں گے راہ تکتی ہوگی میرے بغیر رہتی کہاں ہے۔کام کی مجبوری نہ ہوتی تو کبھی اکیلا نہ چھوڑ کر آتا اس حالت میں۔عاشق نہ ہو تو۔! میں نے دِل ہی دِل میں کوسا۔جانے کب جائے گا۔میں تسبیح کرتے کرتے بھولنے لگتا۔پھر سے گننا شروع کرتا گھنٹی پھر سے بجنے لگتی۔مولوی صاحب کا خیال نہ ہوتا تو میں اُس مسافر کو ٹھیک ٹھاک سناتا۔ہر روز دو تین دفعہ فون کا یہ سلسلہ چلتا مگر آج تو حد ہی ہوگئی پانچویں بار فون آیا تھا۔''ماسی نے مُجھے تیری شکایت لگائی ہے تو نے پھر کھانا نہیں کھایا۔میں ناراض ہو جاؤں گا۔چل نہیں بولتا میں تیرے سے''فون بند ہو جاتا۔کچھ دیر کے بعد پھر گھنٹی بجتی اور پھر وہی ترلے منتیں شروع۔

میں پھر تسبیح بھول گیا۔''اچھا اگر تو کھانا نہیں کھائے گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔چل میری جان کھانا کھا لے دیکھ روٹی اور ماش کی بھنی دال بنائی ہے ماسی نے تجھے پسند ہے نا''ماش کی دال اور روٹی میرے منہ میں پانی بھر آیا۔''لاحول ولا''کہہ کر میں نے پھر سے تسبیح شروع کی۔آج مگر حد ہوگئی فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی وہ بات کرنے لگا،''سوئی شکر ہے اللہ کا مجھ پر بہت ہیں

جالی لگائی تھی۔ لائٹ چلی جائے تو پکھی جھلتی رہنا گرمی سے فوراً اُٹھ جاتی ہے۔ پھر ساری رات جاگے گی۔ دوسری طرف سے شاید تسلی دی گئی تھی فون بند ہوگیا۔ اور میں شروع۔ !تمہیں شرم نہیں آتی سکون برباد کررکھا ہے۔ پانچ دفعہ فون کیا تم نے آج۔ مولوی صاحب کے مہمان نہ ہوتے تو تمہیں بتاتا میں نے اُسے اچھی خاصی سناڈالیں۔ بار بار گنتا ہوں بار بار بھول جاتا ہے جانے کتنی بار گنا تھا بارہ یا پندرہ۔ اچھا پانچ دفعہ مجھے پتہ ہی نہیں چلا، آپ گن رہے تھے۔؟ اُس نے تھیلا کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا'' آپ کو تنگ کیا تین بجے والی بس پکڑنی ہے بزرگو معافی چاہتا ہوں۔ گہری رات میں بھی اُسکے نین کٹورے چمک رہے تھے کانچ کے بنے تھے شاید اس کے آنسو۔ کیا کروں وہی تو ہے کل کائنات میری'' ماں'' ہے۔ بزرگو بیمار ہے پگلی ہے جھلی ہے اونچا سُنتی ہے بھول جاتی ہے۔ کہہ کرچل پڑا۔'' ماں'' ابھی میں یہ وار سہہ نہیں پایا تھا کہ جاتے جاتے 'مڑا اور بولا۔'' یار کو یاد کرنا اور گن گن کر؟ یہ کیسی عاشقی ہے بزرگو؟ وہ چلا گیا میری گنتی چھین کر ساتھ لے گیا۔

مقصود چودھری کینیڈا

پیار نبھایا اس طرح سے بیچ بھنور کے چھوڑ دیا
مجھے ڈبو کر خود ساحل پہ جا نکلے ہو کیسی بات
شام سے لے کر صبح ہونے تک کتنی کروٹیں بدلی ہیں
ہجر کی یادیں غم کے بادل صبح کے اشکوں کی برسات
میرا کام بتانا تم کو اے دل رشتے جوڑ یا توڑ
ہجر کی راتیں بہت کٹھن ہیں وصل کے لمحے پانچ یا سات
مجھ سے میرا پیار نہ چھینو پیار کی مجھ کو بھیک نہ دو
تم لوگوں کے بڑے ٹھکانے ہم لوگوں کی کیا اوقات
دکھ تمہارا بہت بڑا ہے اپنوں سے تم بات کرو
درد میں گھل مل جانے والے درد سے پا جاتے ہیں نجات
دیکھ پیارے صبح ہوئی ہے اٹھو رب کو یاد کرو
ٹھہرنے والے اس سحرا میں رکتے ہیں بس رات کی رات
ان کا دعوی ان کی عدالت باقی سب انہی کی بات
ان کا دوست جگ ہے سارا مقصود کا دوست خدا کی ذات

دھماکہ خیز بریکنگ خبر...

یاسر رسول

کینیڈین شہری نے کرونا کے خلاف عدالتی جنگ جیت لی۔ کینیڈین صوبے Alberta میں لاک ڈاون، ماسک پابندیاں اور زبردستی ویکسینیشن سب کچھ ختم کر دیا گیا۔ اب وہاں کرونا کو سرکاری سطح پر وباء کے بجائے عام فلو وائرس کہا جا رہا ہے۔ خوف و ہراس عدالتی فیصلے کے بعد از خود پورے صوبے میں ختم ہوگیا ہے کیونکہ کرونا کا کوئی وجود تھا ہی نہیں۔ آخر ہوا کیا...؟ دراصل کینیڈین شہری Patrick King نے کرونا کے نام پر زبردستی لاک ڈاون، ماسک اور ویکسینیشن کے خلاف ہزاروں افراد سمیت احتجاج کیا تھا۔۔۔ حکومت نے سرکاری ہدایات کی خلاف ورزی کرنے والوں کی پکڑ دھکڑ کی، جرمانے عائد کئے۔۔۔ پیٹرک کو بھی صوبائی وزیر صحت نے خلاف ورزی کے الزام میں 1200 ڈالر کا جرمانہ عائد کیا۔

پیٹرک جسے کرونا کی اصلیت کا مکمل علم تھ، وہ جانتا تھا کہ یہ وباء جعلی ہے اسکا سرے سے کوئی وجود نہیں... اسے موقع مل گیا اور وہ کرونا کو بے نقاب کرنے عدالت پہنچ گیا۔ پیٹرک نے عدالت میں موقف اپنایا کہ جج صاحب جب کرونا کا کوئی وجود ہی نہیں ہے تو پھر کونسی پابندیاں؟؟ پیٹرک نے حکومت کو چیلنج کر دیا کہ پہلے سرکاری وزیر صحت عدالت میں ثابت کر کے دکھائیں کہ کرونا کا کوئی سائنسی وجود بھی ہے پھر میں جرمانہ بھی دوں گا اور ماسک بھی پہنوں گا۔ عدالت نے حکومتی وزیر صحت کو حکم دیا کہ آپ ثابت کریں کہ کرونا کا سائنسی وجود ہے... یہاں حکومت کے گلے میں ہڈی پھنس گئی۔ حکومتی وزیر نے ہار مانتے ہوئے اعتراف کیا کہ جج صاحب کرونا وائرس کا سائنسی طور پر کوئی وجود نہیں ہے کیونکہ ہم نے کبھی بھی اس وائرس کو آئیوسلیٹ ہی نہیں کیا۔ یعنی کرونا کو ثابت کرنے کا ہمارے پاس کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے۔

پیٹرک نے جواباً کہا: جج صاحب جب کرونا کا کوئی وجود ہی نہیں ہے تو اس کے بہانے لاک ڈاون، ماسک کی پابندی اور پھر زبردستی ویکسینیشن کیوں؟؟ یاد رہے سائنس کی دنیا میں بغیر'' آئیسولیٹ'' (isolate) کیے، کسی بھی وائرس کی ویکسین بنانا سو فیصد ناممکن بات ہوتی ہے کیونکہ آئیسولیٹ کرنے کے بعد ہی وائرس کی اے بی سی کا پتا چلتا ہے کہ یہ کام کس

طرح کام کرتا ہے اسکے بعد ہی اسی حساب سے اسکے خلاف دوائی تیار کی جاتی ہے۔ جبکہ موجودہ کرونا کو کبھی آئیسولیٹ ہی نہیں کیا گیا ہے اسکی جو ویکسین بنائی گئی ہیں وہ سب مفروضوں پر مبنی ہیں، بنانے والے خود ہی دعویدار ہیں کہ یہ محفوظ ہے اور اپنے محفوظ ہونے کے لیے انہوں نے نامعلوم ماہرین کے نام پر رپورٹس جاری کروائی رکھی ہیں جنہیں کسی آزادانہ ادارے نے اپرول ہی نہیں دیا۔

مختصراً یہ کہ سائنس کا بنیادی نقطہ وائرس کو آئیسولیٹ کرنے کی بات کو گول کر کے دنیا پر اقوام متحدہ کے ذریعے سیاسی سائنس مسلط کی گئی ہے اور اسکی اڑ میں زبردستی سب کو ویکسین لگانے کا ایجنڈہ پورا کیا جا رہا ہے۔ اس عدالتی کاروائی میں سیاسی سائنس بری طرح بےنقاب ہوئی۔ ایسی سائنس کا حقیقی سائنس سے زرہ برابر بھی تعلق نہیں ہوتا۔ پیٹرک نے کہ: جج صاحب جب سائنسدانوں نے وائرس کو کبھی آئیسولیٹ ہی نہیں کیا تو ہم کس لیے ماسک پہنیں، کیوں اپنا روزگار بند کریں اور کس مقصد کے لیے ویکسین لگوائیں اور انہوں نے ویکسین بنائی کیسے جبکہ آئیسولیٹ تو انہوں نے کیا ہی نہیں وائرس کو؟؟ دونوں طرف سے دلائل سننے کے بعد عدالت نے حکم دیا کہ حکومت وائرس کی موجودگی ثبوت کرنے میں ناکام ہوگئی ہے۔

لہٰذا پیٹرک کا جرمانہ ختم کرنے کے ساتھ صوبے سے کرونا کے نام پر لگائی گئی بینیادی پابندیاں بھی ختم کی جاتی ہیں۔ اسکے بعد کینڈین صوبے البرٹا کی صوبائی حکومت نے سرکاری سطح پر بھی تمام کرونا پابندیاں ختم کردی ہیں۔

ایک بات توطع ہے کہ اس خبر کے متعلق پاکستانی میڈیا، حکومت اور لفافی صحافی آپکو ہرگز آگاہ نہیں کریں گے، آپ سے چھپائیں گے کیونکہ وہ آپکو لاعلم رکھ کر ویکسینیشن کا ایجنڈہ پورا کرنے میں شیطان کی عالمی اسمبلی اقوام متحدہ کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا یہ آپکا اور میرا فرض بنتا ہے کہ اس خبر کو سب تک پہنچائیں۔

میرے خیال سے پاکستان میں بھی کرونا کے خلاف قانونی جنگ ہونی چاہیے۔ سنجیدہ وکلاء حکومت کو عدالت میں چیلنج کریں کہ کرونا کی موجودگی ثبوت کرو ورنہ پابندیاں غیرقانونی ہیں جب حکومت ثابت کرنے میں ناکام ہوجائے گی تو سارے کرونا ڈرامے ازخود زمین بوس ہوجائیں گے پھر کینیڈین حکومت کی طرح یہاں بھی عوام کو سکھ کا سانس مل جائے گا۔

***

لیاقت علی خان کی اولادوں کے موجودہ حالات

جاوید چوہدری۔ زیرو پوائنٹ

ٹھیکیداروں کا ملک

2021 مجھے کل ایک دوست نے کراچی کی ایک خاتون کا وزیراعلیٰ سندھ کے نام خط بھجوایا' خاتون نے خط میں لکھا' میرے خاوند انتہائی علیل ہیں' یہ ہفتے میں تین بار ڈائیلیسز کراتے ہیں' ان کے ڈائیلیسز' ماہانہ ٹیسٹوں' ادویات' انجیکشنز اور ڈاکٹروں کی فیسوں پر ایک لاکھ 75 ہزار روپے ماہانہ خرچ ہوجاتے ہیں' ہماری دونوں بیٹیاں مل کر یہ اخراجات برداشت کرتی ہیں لیکن اب ان کے بس کی بات بھی نہیں لہٰذا میری آپ سے درخواست ہے آپ مہربانی فرما کر میرے خاوند کے میڈیکل اخراجات کا کوئی مستقل بندوبست کر دیں' خاتون نے آخر میں لکھا' میرے خاوند میرے گھر میں رہتے ہیں اور یہ گھر مجھے میری والدہ نے دیا تھا' یہ ایک عام سا خط تھا' ملک میں روز ہزاروں لوگ اس قسم کے s خط لکھتے ہیں اور حکومت سے امداد مانگتے ہیں' یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں لیکن یہ خط اس کے باوجود غیرمعمولی ہے کیوں؟ کیونکہ یہ درخواست کسی عام شخص نے نہیں کی' یہ خط پاکستان کے پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خان کی بہو دُر لیاقت علی خان نے لکھا تھا اور جس مریض کے لیے امداد مانگی جا رہی ہے اس کا نام اکبر علی خان ہے اور یہ لیاقت علی خان اور بیگم رعنا لیاقت علی کا بیٹا ہے۔

ہمارے ملک میں شاید بہت کم لوگوں کو علم ہو گا لیاقت علی خان کرنال کے بہت بڑے جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتے تھے' ان کی جاگیر میں ریلوے سٹیشن تھا اور ان کے کھیت اور باغ میلوں تک پھیلے تھے' وہ 1918ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں پڑھنے گئے تھے' وکالت شروع کی تو وہ چند برسوں میں ہندوستان کے بڑے وکلاء میں شمار ہونے لگے' 1923ء میں سیاست میں آئے اور 1926ء میں انگریز دور میں یوپی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے' مسلم لیگ جوائن کی تو قائداعظم کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر بن گئے' 1947ء میں پاکستان آئے تو اپنی ساری زمین جائیداد روپیہ پیسہ حتیٰ کہ کپڑے تک بھارت چھوڑ آئے اور کراچی میں جائیداد کا کسی قسم کا کلیم نہ کیا' اس سرزمین پر ایک انچ زمین نہ لی' وہ پاکستان

کے پہلے وزیر اعظم تھے‘ وہ اگر چاہتے تو آدھا کراچی‘ لاہور اور راولپنڈی ان کا ہوتا‘ وہ اگر دہلی اور ممبئی کے گھروں کا کلیم ہی لے لیتے تو ان کا خاندان آج ارب پتی ہوتا لیکن اس درویش صفت انسان نے ملک کو اپنا سب کچھ دے دیا لیکن بدلے میں لیا کچھ نہیں‘ ان کی بیگم اپنے زمانے کی انتہائی خوب صورت‘ مہذب اور پڑھی لکھی خاتون تھیں‘ وہ برٹش آرمی کے انگریز میجر جنرل ڈینیل پینٹ کی بیٹی تھیں‘ والدہ برہمن تھی‘ لکھنو یونیورسٹی سے گریجوایشن کی اور گوکھلے میموریل سکول کلکتہ میں پڑھانا شروع کر دیا‘ 1931ء میں ایم اے کیا اور دہلی میں پروفیسر بن گئیں‘ ان کا نام شیلا آئرن پینٹ تھا‘ 1932ء میں اسلام قبول کیا‘ خان لیاقت علی خان سے شادی کی اور شیلا سے بیگم رعنا لیاقت علی خان بن گئیں‘ ان کے دو بیٹے تھے‘ اکبر علی خان اور اشرف علی خان‘ یہ دونوں سعادت مند بھی تھے اور عزت دار بھی‘ لیاقت علی خان اور رعنا لیاقت علی خان نے جوانی فراوانی میں گزاری تھی‘ دنیا جہاں کی نعمتیں ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑی رہتی تھیں لیکن یہ لوگ جب پاکستان آئے تو یہ خالی ہاتھ تھے‘ کراچی میں خان لیاقت علی خان کے نام پر ہزاروں ایکڑ پر لیاقت آباد کا سیکٹر بنا لیکن اس میں بھی خان لیاقت علی خان نے ایک انچ زمین نہیں لی‘ یہ جب 16 اکتوبر 1951ء کو راولپنڈی میں سید اکبر کی گولی کا نشانہ بنے اور ان کی اچکن اتاری گئی تو پتا چلا ملک کے پہلے وزیر اعظم نے شیروانی کے نیچے کرتہ نہیں پہنا ہوا تھا‘ بنیان تھی اور وہ بھی پھٹی ہوئی تھی‘ گھر میں کپڑوں کے صرف تین جوڑے اور دو جوتے تھے‘ اکاؤنٹ میں چند سو روپے تھے‘ بیگم اور بچے وزیر اعظم ہاؤس میں رہتے تھے‘ خواجہ ناظم الدین نئے وزیر اعظم بن گئے‘ یہ اس گھر میں آئے تو پتا چلا لیاقت علی خان کی فیملی کے لیے پورے ملک میں کوئی گھر موجود نہیں‘ سوال اٹھا یہ لوگ کہاں جائیں گے؟ لہٰذا خواجہ ناظم الدین نے بیگم رعنا لیاقت علی خان کو ہالینڈ میں سفیر بنا کر بھیج دیا‘ بیگم رعنا ہالینڈ‘ پھر اٹلی اور آخر میں تیونس میں سفیر رہیں‘ یہ واپس آئیں تو ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں گورنر سندھ بنا دیا‘ یہ پاکستان کی پہلی خاتون چانسلر بھی رہیں‘ یہ کراچی یونیورسٹی کی چانسلر تھیں‘ آپ اپوا سے لے کر پاکستان نیشنل وومن گارڈز‘ پاکستان وومن ریزرو‘ پاکستان کاٹیج انڈسٹریز شاپ‘ ماڈل کالونی برائے کرافٹس‘ گل رعنا نصرت انڈسٹریل سنٹر‘ کمیونٹی سنٹر یا پھر فیڈریشن آف یونیورسٹی وومن اور انٹرنیشنل وومن تک ملک میں خواتین کا کوئی ادارہ دیکھ لیں آپ کو خواتین سے متعلقہ ہر بڑے ادارے کے پیچھے بیگم رعنا لیاقت علی خان ملیں گی‘ یہ جب ہالینڈ میں سفیر تھیں تو ان کے بارے میں ایک واقعہ مشہور ہوا‘ ہالینڈ کی ملکہ جولیانا ان کی دوست بن گئیں‘ یہ دونوں خواتین اس وقت پورے یورپ میں مشہور تھیں‘ بیگم رعنا لیاقت تاش کے کھیل برج کی بہت بڑی ایکسپرٹ تھیں‘ یہ روزانہ ملکہ کے ساتھ برج کھیلتی تھیں‘ ایک دن ملکہ جولیانا نے بیگم رعنا کے ساتھ شرط لگائی اگر تم آج کی بازی جیت گئی تو میں تمہیں اپنا ایک محل گفٹ کر دوں گی‘ بازی شروع ہوئی اور بیگم رعنا لیاقت علی جیت گئیں‘ ملکہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنا ایک محل رعنا لیاقت علی خان کو دے دیا اور بیگم صاحبہ نے یہ محل حکومت پاکستان کے لیے وقف کر دیا‘ آج بھی ہالینڈ میں پاکستان کا سفارت خانہ اسی محل میں قائم ہے‘ یہ 1990ء میں کراچی میں فوت ہوئیں اور انہیں مزار قائد پر خان لیاقت علی خان کے پہلو میں دفن کر دیا گیا لیکن یہ ہوں یا خان لیاقت علی خان وہ اپنی اولاد کے لیے کوئی زمین یا جائیداد چھوڑ کر نہیں گئے اور آج ان کے صاحب زادے اکبر علی خان اپنی بیگم دُر لیاقت کے گھر میں رہتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہے ان کی بیگم اپنے بیمار خاوند کے علاج کے لیے وزیر اعلیٰ سندھ کو خط لکھنے پر مجبور ہیں‘ ملک کے پہلے وزیر اعظم کے صاحب زادے اور بہو ہر ماہ ایک لاکھ 75 ہزار روپے افورڈ نہیں کر سکتے۔

یہ خان لیاقت علی خان کے ملک میں اپنے ڈائیلیسز کا خرچ پورا نہیں کر سکتے۔ یہ ملک ان لوگوں کا تھا‘ یہ وہ لوگ تھے جو میلوں پر پھیلی جاگیریں چھوڑ کر اس ملک میں آئے اور پھر پھٹی ہوئی بنیان کے ساتھ دفن ہوئے‘ یہ ملک راجہ صاحب محمود آباد جیسے لوگوں کا ملک تھا‘ وہ محمود آباد کی ریاست کے راجہ تھے‘ پوری زندگی اپنی رقم سے مسلم لیگ چلائی‘ پاکستان بنا تو کراچی آ گئے اور حکومت سے کوئی گھر‘ کارخانہ اور زمین نہیں لی‘ ملک میں جب سیاسی افراتفری پھیلی‘ مارشل لاء لگا تو یہ مایوس ہو گئے اور چپ چاپ اٹھے‘ بیگ اٹھایا اور لندن جا بسے‘ راجہ صاحب محمود آباد کا 1973ء میں لندن میں انتقال ہوا‘ وہ انتقال سے قبل ہر ملنے والے سے کہتے تھے ”میں پوری زندگی جن انگریزوں سے لڑتا رہا‘ مجھے آخر میں انہی انگریزوں کے گھر میں پناہ لینا پڑ گئی اور میں آج ان کی مہربانی سے اپنا آخری وقت عزت کے ساتھ گزار رہا ہوں“ یہ سردار عبدالرب نشتر‘ مولوی فضل حق‘ حسین شہید سہروردی اور خواجہ ناظم الدین کا ملک تھا‘ یہ

لوگ ملک بننے سے قبل کروڑ بلکہ ارب پتی تھے لیکن وہ اس ملک میں آ ئے‘ عسرت میں زندگی گزاری اور پھر ان کی اولادیں اکبر علی خان کی طرح علاج اور چھت کو ترستی ہوئی دنیا سے رخصت ہوگئیں جب کہ ان کے ارد گرد 1700 ایکڑ کا رائے ونڈ بھی بن گیا‘ کراچی کا بلاول ہاؤس 64 عمارتیں ہضم کرنے کے باوجود بھی نامکمل رہا‘ لندن کے ایک فلیٹ کی برکت سے تین سو کنال کا بنی گالہ بھی بن گیا اور راولپنڈی کی رنگ روڈ میں چند کلومیٹر کا اضافہ کر کے ذلفی بخاری نے اربوں روپے سمیٹ لیے اور غلام سرور خان کے نام پر نواسٹی کے مالکان نے مارکیٹ میں بیس تیس ہزار فائلیں بھی بیچ دیں۔

آپ المیہ دیکھیے آج اس ملک میں قائداعظم کے رشتے دار چھت‘ علاج اور سواری کو ترس رہے ہیں‘ خان لیاقت علی خان کی بہو وزیر اعلیٰ کو لیاقت علی خان کے صاحب زادے کے لیے ایک لاکھ 75 ہزار روپے کی امداد کی درخواست کر رہی ہے‘ راجہ صاحب محمود آباد ان انگریزوں کے قبرستان میں مدفون ہیں جن سے لڑ کر انہوں نے پاکستان حاصل کیا تھا‘ حسین شہید سہروردی بیروت میں لیٹے ہیں‘ خواجہ ناظم الدین کی آل اولاد تاریخ کے صفحات میں گم ہوگئی‘ مولوی فضل حق عبرت کی نشانی بن کر ڈھاکہ میں دفن ہو گئے اور محمد علی بوگرا ملک چھوڑ کر بوگرا گئے اور چپ چاپ وہاں انتقال کر گئے جب کہ ملک کے ٹھیکے دار آج بھی چینی‘ آٹے اور ایل این جی سے ایک ایک مہینے میں چار چار سو ارب روپے کما لیتے ہیں‘ آج لیاقت علی خان کی بہو اس ملک میں پوچھ رہی ہے کیا یہ ملک ان ٹھیکے داروں کے لیے بنا تھا‘ کیا لیاقت علی خان جیسے لوگوں نے یہ ملک اس لیے بنایا تھا کہ ان کے نواب ابن نواب بچے علاج کو ترستے رہیں جب کہ ذلفی بخاری اور غلام سرور خان جیسے لوگ رنگ روڈ سے اربوں روپے کما لیں؟ یہ ہے آج کا پاکستان‘ ٹھیکے داروں کا ملک۔ ٹھیکے دار مفادات کے حمام میں ننگے نہا رہے ہیں‘ یہ ایک ایک رات میں وفاداری بدل کر صاف ستھرے ہوجاتے ہیں جبکہ مالک اور ان کی اولادیں علاج اور عزت کو ترستی ترستی دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں‘ ملک کے مالکوں کے بچے ڈائیلیسز کا خرچ برداشت نہیں کر پا رہے جب کہ وزیر صحت ادویات کی قیمت بڑھا کر تین چار ارب روپے جیب میں ڈالتے ہیں اور پارٹی کے سیکرٹری جنرل بن جاتے ہیں‘ کیا بات ہے؟ ہمیں شاید من حیث القوم انہی احسان فراموشیوں کی سزا مل رہی ہے‘ ہم شاید اسی لیے پوری دنیا سے جوتے کھا رہے ہیں۔

***

خراشِ قلم

آفتاب شاہ

✓۔ پتنگ جب آسمان کی بلندی پر پہنچ جاتی ہے تو اس کی نگاہ میں تمام چیزیں ہیچ ہوجاتی ہیں اس کا سینے فخر سے چوڑا ہوجاتا ہے اور سر مزید بلندی کی جانب گامزن ہوجاتا ہے۔ تبھی اچانک تیز ہوا کا جھونکا اس کے جسم کے توازن کو اس طرح خراب کرتا ہے کہ بدن کا غرور لرزنا شروع ہوجاتا ہے اور کسی کمزور لمحے میں جسم کا فانی وجود بکھر کر اپنی ناتوانی اور بیثباتی کا اعلان کر دیتا ہے۔ ڈور چاہے جتنی مرضی مضبوط ہو پتنگ تب تک ہی اڑتی ہے جب تک ہوا اس کا ساتھ دیتی ہے۔

✓۔ کچھ لوگ پھل دار درخت کی طرح ہوتے ہیں جب بھی نفرت، بیرخی، بدتمیزی، بداخلاقی، بیحسی اور احساسِ کمتری کا پتھر ان کو لگتا ہے تو بدلے میں شائستگی، احساس، صلہ رحمی، ادب، تمیز، مساوات، احترام، انسانیت، دردِ دل، تڑپ، بیقراری اور اخلاق کے پھل ہی گرتے ہیں یہ لوگ دوسروں کے لیے وہ سایہ بنتے ہیں کہ زمانے کی دھوپ کو کبھی اپنے دامن میں بیٹھنے والے پر پڑنے نہیں دیتے۔ خود کو پھل دار درخت کی مانند رکھیں جو تیز آندھی میں بھی پھل ہی تقسیم کرتا ہے۔

✓۔ ناکامی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ زندگی کا نکتہ نگاہ زوال سے جڑ گیا ہے بلکہ ناکامی اصل میں اس تجربے کا نام ہے جو بتاتا ہے کہ کامیاب کس طرح ہونا ہے عام طور پر ناکامی کو برداشت نہیں کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی زندگی کی دوڑ میں جیتنے کی تگ ودو میں لگا ہوا ہے۔ لیکن اگر ناکامی کے فلسفے کو سمجھ لیا جائے تو کامیابی کا راستہ اور بھی آسان ہوجائے گا۔ زندگی میں ناکامی کی تیاری کرنے والے کبھی مایوس نہیں ہوتے کیونکہ مایوسی تبھی پیدا ہوتی ہے جب توقع کے خلاف نتیجہ پیدا ہو۔ اس لئے کامیابی کے تصور کو ہمیشہ دو زاویوں سے پرکھیں یاس کا سایہ زندگی سے اوجھل رہے گا۔ شب بخیر از قلم

✓۔ اولمپک میں اگر گولڈ میڈل مل جاتا تو اس قوم کی حالت بدل جاتی اگر اولمپک میں ہمارا نوجوان جیت جاتا تو آج تمام ملکی قرضے اتر جاتے اگر انڈیا کے نوجوان کو ہرا کر ہمارا ببر شیر جیت جاتا تو کھیل کا ہر میدان ہمارا ہوتا

اور اگلی مرتبہ 22 کروڑ کی آبادی والا واحد اسلامی ایٹمی ملک اس دفعہ کی طرح 24 افراد کا شیر ببروں کا دستہ اولمپکس میں نہ بھیجتا۔ اور خوش قسمتی سے اگر یہ تمغہ اس ملک میں آجاتا تو ٹھیک دس بیس سال بعد یہی تمغہ برائے فروخت کے نام سے کسی سنار کی دکان پر پڑا ہوتا۔ دنیا اپنے ہیروز کو احترام، عزت، روپے اور رشک کے ہار گلے میں ڈالتی ہے جبکہ ہم اپنے ہیروز کو ہمیشہ قابلِ فروخت سمجھ کر کوڑے دان میں پھینک دیتے ہیں۔

✓۔ جاپان میں پچھلے تیس سال میں چوری نہیں ہوئی قتل نہیں ہوا، کوئی بھوکا نہیں سوتا، زلزلے کے وقت کیمپوں میں سب کچھ رکھ دیا جاتا ہے کوئی ایک چھٹانک ضرورت سے زیادہ نہیں لیتا، دیانتداری میں دنیا میں پہلے نمبر پر ہیں، سڑک پر ایک کروڑ پھینک دیں کوئی نہیں اُٹھاتا، آپ کندھا ماریں سامنے والا معذرت کرتا دکھائی دے گا، ترقی اور ٹیکنالوجی میں دنیا سے دس سال آگے جیتے ہیں، کام اتنا کرتے ہیں کہ وزیراعظم ہاتھ جوڑ کے آرام کے مشورے دیتا ہے، سگریٹ کی راکھ جھاڑنے کی ڈبیا جیب میں رکھتے ہیں، صفائی اتنی سڑکوں میں منہ نظر آئے، پابندی وقت اتنی کہ پانچ منٹ ٹرین لیٹ ہوئی تو پوری کمپنی بند کر دی اخلاق اتنا بلند آپ حیرت سے منہ تکتے رہ جائیں اخلاص مہمان نوازی اور ثقافت کمال محبت اور وفا اتنی کہ جاپانی بیوی پوجا کرنے لگ جائے اور آپ کو اتنا کھلائے کہ موٹے ہونے کا خوف طاری ہو جائے، چاول کی فصل مرغوب غذا، ایک دفعہ قحط پڑا تو تیس سال کا ایسا ذخیرہ کر لیا کہ دنیا سے چاول نایاب ہو لیکن وہاں سے ختم نا ہو، جاپانی جس کے ہو گئے بس پتھر پر لکیر، نظامِ صحت ایسا کہ ٹوائلٹ آپ کو جسم کی پوری ڈیٹیل دے دے۔

✓۔ حسن کو محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن اس کو جانچا نہیں جا سکتا۔ دنیا میں ابھی وہ پیمانہ یا آنکھ ہی نہیں بنی جو حسن کی تعریف کو کسی ایک اکائی میں سمیٹ دے۔ ہر شخص کی آنکھ کا عدسہ الگ ہوتا ہے اسی لیے حسن کے انداز بھی اس کے ہاں اور ہوتے ہیں وہ لوگ جو حسن مجسم کو حسنِ متصور سے ملا کر زندگی بسر کرتے ہیں وہ ماں کے جھریوں والے چہرے سے بھی عقیدت و پیار رکھتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو حسنِ مجسم کے قائل ہوں تو ڈھلتے جسم اور رعنائی سے نئے جہانوں کا رخ کر لیتے ہیں۔ وہ رنگ جو آنکھ سے دل میں جا کر ٹھہر جائے حسن کا مکمل زاویہ ہے جو زندگی کے ہر حصے میں ایک ہی رنگ میں ڈھلا نظر آتا ہے

✓۔ جنت کا جہاں مرضی کے تابع نہیں ہوتا ہے۔ یہاں دل کی حکمرانی ہوتی ہے اور عقل اس کے خلاف جا کر بھی فیصلہ نہیں کروا سکتی۔ اس جہان میں آنے کے تو بیشمار راستے ہیں لیکن جانے کا راستہ دیوانگی اور جنون سے مشروط ہے۔ عقل سے نہ تو محبت کی جا سکتی ہے نہ ہی اس کا دم بھرا جا سکتا ہے اسی لیے عقل والا سچے جذبات کی توہین اپنی چالاکیوں سے کرتا ہے۔ وہ فرد جس نے سوچ کے نگر میں بستر لگایا ہو کبھی بھی عشق کے دروازے کو پار نہیں کر سکتا کیوں کہ جب جب عقل والا عشق کا ڈھونگ رچاتا ہے تو وہ ہمیشہ بے حسی کا لباس پہن کر دھوکے سے زندگی بسر کرتا ہے۔

✓۔ سانپ اور بچھو بلاوجہ کسی کو بھی اپنے زہر کا نشانہ نہیں بناتے بلکہ وہ اپنے دفاع اور ہدف کو پیشِ نظر رکھ کر اس کے بدن میں اپنا زہر اُتارتے ہیں لیکن یہ دونوں ہی کبھی کسی کو دوست نہیں بناتے شاید ان میں انسانوں والی منافقت نہیں ہے کیونکہ بہت سے انسان دوستی کے نام پر دوست کے بدن میں مطلب پرستی اور مفاد کا ایسا زہر اتارتے ہیں کہ بدن ٹھنڈا ہونے تک وہ دوست ہاتھ اسی منافق شخص کی طرف بڑھائے رکھتا ہے جس نے دوست کو بھرے بازار بیچا ہوتا ہے۔ سانپ کو تو مفت میں بدنام کیا گیا ہے حقیقت میں انسان کا ڈنک سب سے خطرناک ہے کیونکہ انسان کسی کو بھی بغیر وجہ کے ڈس سکتا ہے اسی لیے تو سانپ بھی انسان سے خائف رہتا ہے۔

✓۔ 14 اگست کی آمد کا اعلان وہ باجے کرتے ہیں جن کی بے ہنگم آوازوں میں کبھی بھی خلوص کی موسیقی سنائی نہیں دیتی۔ ہماری قوم کی اس دن سے محبت کا یہ عالم ہے کہ ہر گھر میں ایک بھونپو اور ایک باجہ خرید کر وطن سے محبت کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ اس دن کی مناسبت سے نوجوانوں نے خصوصی تیاری کر رکھی ہے اور اپنے موٹر سائیکلوں کے سیلنسر وقت سے پہلے ہی اتروا دیے ہیں۔ کیک کاٹنے کی تقریب لازماً رکھی جاتی ہے لیکن اس عہد کے ساتھ کہ اگلی بار بھی کیک ہی کاٹنا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ کوئی موؤزن وطن کی سلامتی کی دعا کا درس نہیں دیتا۔ کوئی ماتھا دھرتی کی امان کا سجدہ ادا نہیں کرتا۔ کوئی گردن وطن کی عزت کو سبز پرچم کی طرح گلے میں نہیں لپیٹتی۔ کیا ہم سچ میں صرف باجے بجا کر ہمیشہ جشنِ آزادی کا درس دیتے رہیں گے؟

***

میرا جسم میری مرضی کا آخری انجام

جاوید چودھری

شوکت مقدم پاکستان نیوی کے سابق آفیسر ہیں، ریٹائرمنٹ کے بعد دو ملکوں جنوبی کوریا اور قزاقستان میں پاکستان کے سفیر رہے۔ ان کی دو صاحب زادیاں اور ایک بیٹا ہے، دوسری بیٹی کا نام نور مقدم تھا، نور 20 جولائی کی شام ہولناک طریقے سے قتل ہوگئی اور اس قتل نے پورے اسلام آباد کو ہلا کر رکھ دیا۔ لوگ پانچ دن سے دہشت زدہ ہیں، نور کے ساتھ کیا ہوا؟ اس طرف آنے سے پہلے میں آپ سے ایک دوسری فیملی کا تعارف بھی کراؤں گا، پاکستان میں جعفر برادرز کے نام سے ایک بڑا بزنس گروپ ہے، یہ لوگ کھربوں روپے کے مختلف کاروبار کرتے ہیں۔ جعفر برادرز کے ایک بھائی عبدالقادر جعفر لندن میں پاکستان کے ہائی کمشنر بھی رہے ہیں، ان کے صاحب زادے ذاکر جعفر بھی ارب پتی ہیں، ذاکر جعفر کا بزنس برطانیہ اور امریکا تک پھیلا ہوا ہے، کراچی میں رہتے ہیں لیکن امراء کی طرح انھوں نے بھی اپنا ایک گھر اسلام آباد کے پوش ایریا ایف سیون فور میں بنا رکھا ہے اور فیملی کراچی اور اسلام آباد دونوں جگہوں پر رہتی ہے، ذاکر جعفر کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے اور بیگم عصمت کا تعلق آدم جی فیملی سے ہے، ذاکر جعفر کے بڑے بیٹے کا نام ظاہر ذاکر جعفر ہے۔

یہ عرف عام میں ظاہر جعفر کہلاتا ہے۔ امریکا میں پیدا ہوا، نیوجرسی میں پڑھتا رہا، لندن میں بھی زیر تعلیم رہا اور یہ آج کل پاکستان میں رہتا تھا، دنیا میں پاگل پن کی نو وجوہات ہوتی ہیں، پہلی تین وجوہات دولت، دولت اور دولت ہے، ظاہر جعفر سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا لہٰذا اس میں وہ ساری خرابیاں موجود ہیں جو عموماً دولت مندوں میں ہوتی ہیں، تکبر، بدتمیزی، ظلم اور نشہ، میرے ایک دوست ایسے نوجوانوں کو پائلٹ کہتے ہیں، کیوں؟

کیونکہ یہ نوجوان اپنے والدین کی دولت اڑاتے ہیں لہٰذا یہ پائلٹ ہوتے ہیں، ظاہر جعفر بھی پائلٹ تھا، یہ بھی دن رات والدین کی دولت اڑاتا تھا، نور مقدم اور ظاہر جعفر دوست تھے، یہ ''لیونگ ریلیشن شپ'' میں تھے، ایک دوسرے کے ساتھ گھومتے پھرتے اور کھاتے پیتے رہتے تھے، خاندان بھی ایک دوسرے کو جانتے ہیں، 19 جولائی کو عید سے پہلے نور مقدم اچانک گھر سے غائب ہوگئی۔ والدین نے تلاش کیا، وہ نہ ملی، فون بھی بند آ رہا تھا، شوکت مقدم نے ذاکر جعفر سے رابطہ کیا، ذاکر جعفر نے جواب دیا، میں کراچی میں ہوں، میں نے پتا کیا لیکن نور ظاہر کے ساتھ نہیں ہے، والدین نے تشویش کے عالم میں ہر طرف فون کرنا شروع کر دیے، اس دوران نور کا فون آن ہوا اور اس نے والدہ کو بتایا، میں دوستوں کے ساتھ لاہور آئی ہوئی ہوں، کل پرسوں تک آ جاؤں گی، والدہ مطمئن ہوگئی، 20 جولائی کو کہانی کھلی، وہ لاہور نہیں تھی، وہ ظاہر جعفر کے ساتھ اس کے گھر میں تھی اور ذاکر جعفر نے شوکت مقدم (لڑکی کے والد) کے ساتھ جھوٹ بولا تھا، 20 جولائی چار بجے نور اور ظاہر کا جھگڑا ہوا اور ظاہر نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ نور نے جان بچانے کے لیے روشن دان کھول کر پہلی منزل سے چھلانگ لگا دی، وہ گرل کے ساتھ بھی ٹکرائی اور فرش پر گرنے سے زخمی بھی ہوگئی، گھر پر اس وقت دو ملازم تھے، جمیل احمد اور محمد افتخار، ان میں سے ایک خانساماں تھا اور دوسرا چوکی دار، یہ جوان لوگ ہیں، نور ان کے سامنے فرش پر گری اور گھسٹ کر گیٹ کی طرف بڑھنے لگی، وہ چوکی دار کی منتیں کر رہی تھی تم گیٹ کھول دو، ظاہر مجھے مار دے گا لیکن وہ پتھر بن کر کھڑا رہا، ظاہر جعفر تیزی سے سیڑھیوں سے نیچے آیا اور نور کو بالوں سے گھسیٹتے ہوئے دوبارہ اوپر لے گیا۔ وہ اس کا سر سیڑھیوں پر بھی مارتا رہا، یہ دن ساڑھے چار بجے کا واقعہ تھا، ملازمین نے فون کر کے ظاہر کے والد ذاکر جعفر کو بتا دیا لیکن اس نے اگنور کر دیا، ظاہر نے اس کے بعد نور کو بالائی منزل پر ٹارچر کرنا شروع کر دیا، اس نے اس کے جسم میں چار جگہ چاقو مارا، ایک بڑا زخم چھاتی پر بھی تھا، وہ اس کی منتیں کرتی رہی لیکن وہ اس کے جسم کو چاقو سے کاٹتا رہا، نور نے اپنے فون سے ویڈیو کالز کی کوشش بھی کی اور شور بھی کیا لیکن کوئی اس کی مدد کو نہ آیا، ظاہر نے اس دوران اپنے والد کو فون کر کے بتایا، نور میرے ساتھ شادی نہیں کر رہی، میں اسے قتل کر رہا ہوں، والد نے اس بات کو بھی سیریس نہیں لیا، ملازمین نے اس دوران ایک بار پھر والد کو بتایا کمرے کے اندر سے چیخوں کی آوازیں آ رہی ہیں اور لوگ گھر کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

والد نے چوکی دار سے کہا، تم فکر نہ کرو، میں ابھی تھراپی سینٹر والوں کو بھجتا ہوں۔ ہم اسٹوری کو یہاں روک کر تھراپی سینٹر کی طرف آتے ہیں، اسلام آباد کے ایف سیون سیکٹر میں دو بھائیوں دلیپ کمار اور وامق ریاض نے تھراپی سینٹر کے نام سے اعلیٰ طبقے کے بچوں کے لیے نفسیاتی ری ہیبلی ٹیشن سینٹر بنا رکھا ہے، یہ سینٹر پارٹیوں کے دوران امراء کے بچوں کو سنبھالتے ہیں، ذاکر جعفر نے وامق ریاض کو فون کیا اور بڑے عام سے لہجے میں کہا وامق میرے گھر میں کسی کو بھجوا دو وہاں ظاہر کسی لڑکی کے ساتھ Solicite کر رہا ہے، Solicite اعلیٰ طبقے کی انگریزی میں غیر قانونی، غیر اخلاقی جنسی تعلق کو کہتے ہیں، والد کا لہجہ اتنا معمولی تھا

کہ ڈاکٹر بھی حیران رہ گیا، بہر حال تھراپی سینٹر نے اپنی ٹیم بھجوادی، اس دوران ظاہر اور نور کے دوست بھی ان کے گھر پہنچ گئے۔ وہ گیٹ پر کھڑے تھے اور ٹیلی فون پر ظاہر کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے، تھراپی سینٹر کی ٹیم نے ظاہر کو دروازہ کھولنے کا کہا، اس نے انکار کر دیا، ٹیم لیڈر امجد سیڑھی لگا کر اوپر گیا، اس نے کھڑکی توڑی اور اندر کی صورت حال دیکھ کر سکتے میں آ گیا، پورے کمرے میں خون تھا جب کہ نور کا سر جسم سے الگ دور پڑا تھا۔

امجد نے ٹیم کو آواز دی، فوراً اوپر آ جاؤ لیکن ٹیم کے پہنچنے سے پہلے ہی ظاہر نے امجد پر حملہ کر دیا، گولی چلائی لیکن گولی پستول میں پھنس گئی، اس نے اس کے بعد امجد پر چاقو سے حملہ کر دیا، چاقو امجد کے جگر میں لگ گیا لیکن وہ بہر حال اس سے لڑتا رہا اور اس نے اسے گرا لیا، اس دوران ٹیم آ گئی اور اس نے ظاہر کو باندھ دیا، ہمسائے یہ افراتفری دیکھ رہے تھے، ایک ہمسائے نے پولیس بلا لی، پولیس بھی اندر داخل ہو کر سکتے میں آ گئی۔ پولیس نے ظاہر ذاکر جعفر کو گرفتار کر لیا، شوکت مقدم کو بھی سانحے کی اطلاع دے دی گئی، ظاہر کا والد کراچی سے واپس آ گیا اور آ کر پولیس پر چڑھائی کر دی، اس کا بار بار کہنا تھا۔ آپ میرے بیٹے کو قاتل کہنے والے کون ہوتے ہیں، یہ فیصلہ عدالت نے کرنا ہے۔ پولیس نے اسے سمجھایا لیکن دولت میں اگر تکبر نہ ہو تو پھر دولت، دولت نہیں ہوتی، ذاکر جعفر نے وکلاء کی لائن بھی لگا دی اور ہر طرف سے دباؤ بھی ڈالنا شروع کر دیا لیکن میں یہاں پولیس کی تعریف کروں گا بالخصوص ڈی آئی جی افضال احمد کوثر قابل تعریف ہے۔

یہ شخص دباؤ میں نہیں آیا، اس نے تفتیش کرائی اور جب یہ ثابت ہو گیا اگر ظاہر جعفر کے والدین معاملے کو سیریس لے لیتے یا اپنے بیٹے کو سپورٹ نہ کرتے تو نور مقدم بچ سکتی تھی تو اس نے ذاکر جعفر اور ان کی بیگم عصمت آدم جی کو بھی گرفتار کر لیا اور ان دونوں ملازمین کو بھی پکڑ لیا جو اگر اس وقت ذرا سی کوشش کر لیتے، پولیس کو اطلاع کر دیتے یا کسی ہمسائے کو بلا لیتے تو بھی نور بچ سکتی تھی، ذاکر جعفر اور ان کی بیگم عصمت آدم جی نے گرفتاری سے بچنے کی ساری کوششیں کیں، ریمانڈ کے وقت بھی وکلاء کی لائن لگا دی لیکن بہر حال پولیس کی استقامت کی وجہ سے یہ کوشش ناکام ہو گئی اور اب قاتل ظاہر جعفر، اس کے والدین اور ملازمین سب حوالات میں ہیں، جعفر فیملی اب قاتل ظاہر جعفر کو بچانے کے لیے اسے نفسیاتی مریض اور نشئی ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ لوگ جان بوجھ کر سوشل میڈیا پر ایسی خبریں پھیلا رہے ہیں۔ یہ امریکا میں بھی جیل میں رہا اور اسے لندن سے بھی وائلنس کی وجہ سے نکال دیا گیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ، یہ بھی پتا چلا ذاکر جعفر اور عصمت آدم جی کو جب نور کے قتل کا علم ہو گیا تو انھوں نے تھراپی سینٹر کے ساتھ مل کر ظاہر جعفر کو نفسیاتی مجرم بنانے کی کوشش کی، پولیس کو بھی گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، پولیس گیٹ پھلانگ کر اندر گئی تھی، پولیس نے جب ظاہر کو گرفتار کیا تھا تو وہ اس وقت بھی ہوش وحواس میں تھا اور یہ آج بھی مکمل سینس میں ہے، آپ اس کی چالاکی دیکھیے، یہ پولیس کے ہر سوال پر ایک ہی جواب دیتا ہے میں امریکی شہری ہوں، مجھ پر پاکستانی قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا اور آپ مجھ سے میرے وکیل کے ذریعے سوال کریں۔ یہ پولیس کو بیان نہیں دے رہا، والدین نے بھی اس کے دماغی توازن کی خرابی کی رپورٹس بنوانی شروع کر دی ہیں۔

نور مقدم کیس، افغان سفیر کی بیٹی کا واقعہ اور عثمان مرزا کیس سڑتے ہوئے جوہڑ کا صرف ایک جھونکا ہیں، اسلام آباد میں ایسے سیکڑوں ہزاروں واقعات ہو چکے ہیں اور روز ہو بھی رہے ہیں، شہر پارٹیوں، نشئیوں اور امراء کے بچوں کی واہیات حرکات کا سرکس بن چکا ہے، آپ رات کے وقت سڑک پر نہیں نکل سکتے کیوں کہ نشے میں دھت لوگ آپ کو کچل جائیں گے اور ان کے والدین بڑے آرام سے میرے بچے Solicite کر رہے تھے۔ کہیں گے اور بچے اگلی فلائٹ پکڑ کر باہر چلے جائیں گے، یہ ہے اسلام آباد، شہر کے نام پر جنگل۔

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

وحدانیت کا نور ہی اُنؐ کی حیات ہے
اُنؐ کی ہی رحمتوں سے بھری کائنات ہے
ظلمت کدوں میں نور نظر کی سوغات ہے
ماتھا ہے مثلِ ماہ تو گیسو میں رات ہے
مر کر بھی ہم سے دور منوّر ممات ہے
یہ لب پہ جو درود ہے آبِ حیات ہے
افکار میں ہے روشنی اُنؐ کے ہی نام کی
سر پر جہاں کے رحمتِ عالمؐ کا ہات ہے
خوش بخت ہم کہ جام ہیں توحید کے پیے
ہم کو نصیب ساقیِ کوثرؐ کی ذات ہے
فصلِ بہار اُنؐ کی ہی نگہِ مہر سے ہے
شاہدِ چمن کے پھول ہیں اور پات پات ہے
حمد و ثناء سے فکرِ منوّر ہے تر بہ تر
غم سے نبی ﷺ کی پیروی بخشے نجات ہے

بہن کی شادی کو 6 سال ہو گئے ہیں ۔ ابن لطیف

میں کبھی اس کے گھر نہیں گیا عید شب رات کبھی بھی ابو یا امی جاتے ہیں میری بیوی ایک دن مجھے کہنے لگی آپ کی بہن جب بھی آتی ہے اس کے بچے گھر کا حال بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں خرچ ڈبل ہو جاتا ہے اور تمہاری ماں ہم ۔سے چھپ چھپا کر کبھی اس کو صابن کی پیٹی دیتی ہے کبھی کپڑے کبھی صرف کے ڈبے اور کبھی کبھی تو چاول کا تھیلا بھر دیتی ہے اپنی ماں کو بولو یہ ہمارا گھر ہے کوئی خیرات سینٹر نہیں مجھے بہت غصہ آیا میں مشکل سے خرچ پورا کر رہا ہوں اور ماں سب کچھ بہن کو دے دیتی ہے بہن ایک دن گھر آئی ہوئی تھی اس کے بیٹے نے ٹی وی کا ریموٹ توڑ دیا میں ماں سے غصے میں کہہ رہا تھا ماں بہن کو بولو یہاں عید پہ آیا کرے بس اور یہ جو آپ صابن صرف اور چاول کا تھیلا بھر کر دیتی ہیں نا اس کو بند کریں سب ماں چپ رہی لیکن بہن نے ساری باتیں سن لی تھیں میری بہن کچھ نہ بولی ۴ بج رہے تھے اپنے بچوں کو تیار کیا اور کہنے لگی بھائی مجھے بس سٹاپ تک چھوڑ او میں نے جھوٹے منہ کہا رہ لیتی کچھ دن لیکن وہ مسکرائی نہیں بھائی بچوں کی چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں پھر جب ہم دونوں بھائیوں میں زمین کا بٹوارا ہو رہا تھا تو میں نے صاف انکار کیا بھائی میں اپنی زمیں سے بہن کو حصہ نہیں دوں گا بہن سامنے بیٹھی تھی وہ خاموش تھی کچھ نہ بولی ماں نے کہا بیٹی کا بھی حق بنتا ہے لیکن میں نے گالی دے کر کہا کچھ بھی ہو جائے میں بہن کو حصہ نہیں دوں گا میری بیوی بھی بہن کو برا بھلا کہنے لگی وہ بیچاری خاموش تھی بڑا بھائی علدہ ہو گیا کچھ وقت کے بعد میرے بڑے بیٹے کو ٹی بی ہو گئی۔

میرے پاس اس کا علاج کروانے کے پیسے نہیں تھا بہت پریشان تھا میں قرض بھی لے لیا تھا لاکھ روپیہ بھوک سر پہ تھی میں بہت پریشان تھا کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا شاید رو رہا تھا حالات پہ اس وقت وہی بہن گھر آ گئی میں نے غصے سے بولا اب یہ آ گئی ہے منحوس، میں نے بیوی کو کہا کچھ تیار کرو بہن کیلیے بیوی میرے پاس آئی کوئی ضرورت نہیں گوشت یا بریانی پکانے کی اس کے لیئے پھر ایک گھنٹے بعد وہ میرے پاس آئی بھائی پریشان ہو بہن نے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا بڑی بہن ہوں تمہاری گود میں کھیلتے رہے ہو اب دیکھو مجھ سے بھی بڑے لگتے ہو پھر میرے قریب ہوئی اپنے پرس سے سونے کے کنگن نکالے میرے ہاتھ میں رکھے آہستہ سے بولی پاگل توں اویں پریشان ہوتا ہے بچے سکول تھے میں سوچا دوڑتے دوڑتے بھائی سے مل آوں۔ یہ کنگن بیچ کر اپنا خرچہ کر بیٹے کا علاج کروا شکل تو دیکھ ذرا کیا حالت بنا رکھی تم۔ نے میں خاموش تھا بہن کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ وہ آہستہ سے بولی کسی کو نہ بتانا کنگن کے بارے میں تم۔ کو میری قسم ہے میرے ماتھے پہ بوسہ کیا اور ایک ہزار روپیہ مجھے دیا جو سو پچاس کے نوٹ تھے شاید اس کی جمع پونجی تھی میری جیب میں ڈال۔ کر بولی بچوں کو گوشت لا دینا پریشان نہ ہوا کر جلدی سے اپنا ہاتھ میرے سر پہ رکھا دیکھا اس نے بال سفید ہو گئے وہ جلدی سے جانے لگی اس کے پیروں کی طرف میں دیکھا ٹوٹی ہوئی جوتی پہنی تھی۔

پرانا سا دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا جب بھی آتی تھی وہی دوپٹہ اوڑھ کر آتی بہن کی اس محبت میں مر گیا تھا ہم بھائی کتنے مطلب پرست ہوتے ہیں بہنوں کو پل بھر میں بیگانہ کر دیتے ہیں اور بہنیں بھائیوں کا ذرا سا دکھ برداشت نہیں کر سکتیں وہ ہاتھ میں کنگن پکڑے زور زور سے رو رہا تھا اس کے ساتھ میری آنکھیں بھی نم تھیں اپنے گھر میں خدا جانے کتنے دکھ سہہ رہی ہوتی ہیں کچھ لمحے بہنوں کے پاس بیٹھ کر حال پوچھ لیا کریں شاید کہ ان کے چہرے پہ کچھ لمحوں کے لیئے ایک سکون آ جائے... بہنیں ماں کا روپ ہوتی ہیں۔

اچھے دنوں کے رنگ سبھی زائچے میں ہیں
وہ ساتھ آ ملیں گے ابھی راستے میں ہیں
با تدریج کر رہے ہیں تعمیر خدو خال
نقشے نئے جہان کے سب حافظے میں ہیں
پاگل ہیں جو سمجھتے کہ تنہا ہیں ہم یہاں
دشمن ہمارے اب تلک مُغالطے میں ہیں
دیتا ہے برگ و بار وہ گُلشن کو رُت نئے
منظر ہر رنگ و نسل کے سب قافلے میں ہیں
روح بھی ہماری رہتی ہے سرشار و مرغزار
سجدے نمازِ عشق کے جو ذائقے میں ہیں
کرتے ہیں پیار ٹوٹ کے اپنے نِگار سے
وہ نُورِ جان دل کے حسیں آئینے میں ہیں
سب برکتیں یہ ربّ کی خلافت سے ہیں جُویں
اہلِ جہان پھنس گئے کِس معاملے میں ہیں
عبّاد جی کے سخن کا محور ہے آسمان
پرواز کر رہے ہیں ابھی راستے میں ہیں

عبدالجلیل عبّاد جرمنی

جعلی، مصنوعی اور دو نمبر شعراء اور اصلی شعراء کی پہچان

جعلی شعراء۔ فرحت عباس شاہ

۱۔ جعلی شاعر پیدائشی شاعر نہیں ہوتا۔

۲۔ اسے فن شعر کی تربیت بھی حاصل نہیں ہوتی۔

۳۔ لیکن اسے شاعری کا شدید شوق ہوتا ہے۔

۴۔ کسی سے لکھوا کے کتاب بھی شائع کروا لیتا ہے۔

۵۔ درست شعر کو غلط پڑھنے سے ایکسپوز ہونے کے باوجود اسے پتہ ہی نہیں چلتا سمجھدار لوگوں کو اس کے بارے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ شاعر نہیں۔

۶۔ کئی دفعہ دوسروں کے شعر اپنے نام سے پڑھ جاتا ہے۔

۷۔ اگر اسے کوئی نشاندہی کرے تو برا مناتا ہے۔

مصنوعی شعراء: مصنوعی شاعر پیدائشی شاعر نہیں ہوتا۔ اس کے پاس قدرت کی عطاء کردہ شعری قابلیت نہیں ہوتی لیکن وہ شاعروں میں بیٹھنے اُٹھنے مطالعہ کرنے اور شعری اوزان و عروض سیکھنے کی وجہ سے مصرعے موزوں کرنے اور قافیہ ردیف کے استعمال کا طریقہ سمجھنے اور شعر بنانے کی پریکٹس کرنے کی وجہ سے مصرعے موزوں کرنے جیسا کام سیکھ لیتا ہے۔ دوسرے شعراء کی نقل کرنے اور خیال چرانے اور شعر پر گفتگو کرنے کی وجہ سے اپنے شاعر ہونے کی ایک جھوٹی فضا قائم کرتا ہے۔ لابیاں بناتا ہے مشاعروں میں شرکت کے لیے زور لگاتا ہے اور سیلف پروجیکشن کے لیئے چالاکی اور مکاری بروئے کار لاتا ہے۔ ایوارڈز کی بھاگ دوڑ میں آگے آگے رہتا ہے۔ ہر وقت دوسروں پر نظر رکھتا ہے اور کڑھتا رہتا ہے کہ فلاں مشاعرہ پڑھ گیا، فلاں وہاں سے پیسے کما گیا، فلاں ایوارڈ لے گیا اور فلاں نے عہدہ قابو کر لیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہمہ وقت حسد کی کیفیت میں رہتا ہے دوسروں کو پیچھے دھکیلنے اور خود مفاد اُٹھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

دو نمبر شاعر: زندگی کے کسی حصے میں اسے فطری شعری اہلیت میسر آتی ہے نام بھی بن جاتا ہے لیکن حرص و ہوس کی بنیاد پر دربار سرکار سے حاصل ہونے والے مفادات کے حصول کے لیے ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔ اخبارات میں کالم لکھ کر ٹی وی پروگرام حاصل کر کے ایوارڈز لے کر اپنا تاثر قائم رکھتا ہے۔ گفتگو میں میٹھا انداز عالمانہ اور شائستہ رکھتا ہے لیکن نظر صرف مفادات پر ہوتی ہے۔ بڑے بڑے عہدوں پر بیٹھے اور بڑے بڑے ناموں والے شعراء کانفرنسوں اور مشاعروں کی صدارتیں کرنے والے شعراء کے بارے میں سرسری تحقیق سے ان کا سارا کچا چٹھا سامنے آ جاتا ہے۔ ان تینوں اقسام کیشاعر شاعری کے بارے غلط نظریات پھیلاتے نظر آئیں گے یہ ہر دور میں جینوئن شعراء کے راستے روکتے ہیں، مشاعروں اور ایوارڈز سے ان کے نام کٹواتے ہیں اور معزز نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر ان کے خلاف آواز اُٹھائی جائے تو اس پر بدتہذیبی، ناشائستگی اور فرسٹریشن کا الازم لگا کر اس کی آڑ میں اپنے کرتوت اور جرائم چھپانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ یہ پی آر کے ماہر، لطیفہ باز اور حکام بالا سے ہمہ وقت منسلک رہتے ہیں۔ سرکاری و غیر سرکاری کمیٹیوں کے یا تو خود ممبر بنتے ہیں یا اپنے حواریوں کو بنواتے ہیں تاکہ ان کا قبضہ برقرار رہے جینوئن شاعر خداداد صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ علم و دانائی اور تخلیقی قوت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اپنے انفرادی احساسات و جذبات کی ترجمانی یونیورسل انداز میں کرتے ہیں، حقیقی اور سچے نظریات کے حامل ہوتے ہیں، حق بات کرنے میں بے خوف اور نڈر رہوتے ہیں۔ اور خاص بات یہ کہ ایسے حال مست لوگ اپنے کردار سے اپنے فن اور کلام کی عزت اور بھرم کا خیال رکھتے ہیں۔ خوددار اور اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں۔ شاعری کے زریعے معاشرے پر مثبت اثرات کی نیت اور عمل کو ترجیح دیتے ہیں۔ دو نمبر شاعروں کے برعکس نئی نسل کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو پیچھے دھکیلا یا رکھا جاتا ہے۔ اکثر اوقات یہ شریف النفس خود اس مکارانہ مفاداتی جنگ اور سازشوں کا حصہ بننے کی بجائے خاموش رہنا اپنے کام کی حد محدود رہنا یا تنہائی اختیار کر لینا پسند کرتے ہیں۔

جان کی امان پائے بغیر

اختر رسول مجتبیٰ

جنگِ جمل جو کہ قصاص عثمان کے سبب مسلمانوں کے درمیان ہونے والی پہلی جنگ تھی، یہ جنگ 10 جمادی الثانی 36 ہجری بصرہ عراق کے مقام پر لڑی گئی یہ جنگ خاتم الاولیاء علی ابنِ ابی طالب اور ام المومنین عائشہ بنت ابی بکر کے درمیان لڑی گئی علی ابن ابی طالب کے لشکر میں جید صحابہ کرام موجود تھے، اسی طرح عائشہ بنت ابی بکر کے لشکر میں بھی کافی صحابہ موجود تھے، علی صاحب کی فوج کے 5000 جنگجو قتل ہوئے اور عائشہ صاحبہ کے لشکر کا جانی نقصان 13000 جنگجو تھے، دونوں فریقین کے قتل ہونے والے مسلمان جنگجوؤں کی کل تعداد اٹھائیس ہزار بنتی ہے۔

دوسرا منظر نامہ: دوسری جنگ صفوین 26 جولائی 657 عیسوی کو علی ابن ابی طالب اور معاویہ بن ابوسفیان کے درمیان لڑی گئی اس جنگ میں علیؑ کے لشکر سے 25000 جنگجو مارے گئے معاویہ صاحب کے لشکر سے 45000 جنگجو مارے گئے۔ دونوں فریقین کے قتل ہونے والے مسلمان جنگجوؤں کی کل تعداد 70000 ستر ہزار بنتی ہے۔ اب یہاں مسلمانوں سے چند سوالات بنتے ہیں کہ (1) مذکورہ

جنگوں میں حق پر کون تھا؟ اور باطل کون تھا؟ علی یا عائشہ یا سفیان؟ (2) دونوں جنگوں میں مسلمانوں کے نزدیک عالی مرتبت صحابہ و بزرگان دین بھی شامل تھے جن میں سے اکثر دورانِ جنگ مارے گئے ان میں سے شہید کون ہوئے؟ اور ہلاکت کن کی ہوئی؟ (3) جنگ جمل میں مارے گئے 28000 مسلمان جنگجوؤں کا خون کس کے سر جاتا ہے علی یا عائشہ؟ اسی طرح جنگ صفوین میں مارے گئے 70000 مسلمان جنگجوؤں کے قتل عام کا سہرا کس کے سر ہوگا علی یا معاویہ بن سفیان کے نام؟ (4) خاتم الاولیاء علی ابن ابی طالب، اُم المومنین عائشہ اور معاویہ بن ابوسفیان ان تینوں میں سے 98000 لوگوں کے قتل کا سبب بننے کے گناہ میں ملوث کیا کوئی جہنم میں بھی جائے گا؟ مسلمان تاویلات اور میری ذات کو زیرِ بحث لائے بغیر ان سوالات کے جواب عنایت فرمادیجئے۔

زندہ اور مردہ انسان

قاسم عباس میسی گا ناکینیڈا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید زندہ انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، مگر زندہ مسلمان قرآن مجید کو مردوں کے گناہ بخشوانے کے لئے طوطے کی طرح بغیر سمجھے پڑھتے ہیں تا کہ مردہ، جس نے پوری زندگی قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش نہ کی ہو، اسے جنّت کا ٹکٹ مل جائے اور اس مقصد کے لئے مردے کیلئے سوئیم، چہلم، برسی، عرس، قرآن خوانی، گیارھویں، بارہویں، تیرہویں وغیرہ کا دھا کیدار انتظام کیا جاتا ہے، اور اس موقعے پر ہدایت کے لئے بھیجا گیا قرآن مجید بغیر سمجھے طوطے کی طرح پڑھا جاتا ہے، جسے قرآن کا ''ختم'' کہا جاتا ہے۔ یہ ہے قرآن مجید کے اصل مقصد کو بالکل ''ختم'' کرنے کا طریقہ۔ اسلامی تاریخ اور سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے رسم ورواج کا ذکر یا حکم نہ قرآن میں ہے نہ مستند حدیث میں۔ نہ حضور ﷺ نے اپنے بیٹے کے لئے کوئی ایسی رسم کی تھی نہ خلفاء راشدین رنے یا صحابائے کرام رَضِوانھم نے حضور ﷺ کے لئے کوء ایسی رسم کی تھی۔

قرآن کریم کی سُورَۃُ القَمَر میں یہ آیت چار مرتبہ دہرائی گئی ہے اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کیلئے آسان کردیا ہے، سو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ غیر اسلامی رسم ورواج، جس کا نہ قرآن کریم میں ذکر ہے نہ حدیث میں، اس سے اجتناب کرنا چاہئے، اور قرآن کریم کو سمجھ کر، اس کی آیتوں پر غور وفکر کرکے اس پر عمل کرنا چاہئے، جو ہر مسلمان پر فرض ہے، اور جس کے بارے میں قرآن کریم میں بار بار حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو نیک ہدایت عطا کرے۔ آمین۔

کویتی کالم نگار عبداللہ الجار اللہ اس دارِ فانی سے رحلت کر چکے ان کا ایک مضمون جو بہت سبق آموز ہے اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

میں اپنی موت پر بالکل پریشان نہیں ہوں گا، اور نہ مجھے اپنی میت کے بارے میں کوئی فکر ہوگی اسلئے کہ میرے مسلمان بھائی یہ ضروری کاروائی کریں گے۔ میرے کپڑے مجھ سے اتارلئے جائیں گے، مجھے غسل دیا جائیگا، کفن پہنایا جائیگا اور مجھے میرے گھر سے نکال کر نئے گھر (قبر) کی طرف لیجایا جائیگا۔ بہت سے لوگ میرا جنازہ پڑھنے کے لئے آئیں گے۔ بلکہ بہت سارے دوست احباب اپنا کام کاج چھوڑ کر مجھے دفنانے کے لئے آئینگے۔ لیکن ان میں سے بہت سارے ایسے ہونگے جو میری نصیحت پر غور نہیں کرینگے بلکہ کبھی بھی نہیں کرینگے۔ میری چیزیں مجھ سے لے لی جائینگی، میری چابیاں، کتابیں، بریف کیس، بٹوہ، جوتے اور لباس سب کچھ مجھ سے الگ کردیئے جائیں گے۔ اگر میرے وارث راضی ہو گئے تو ان چیزوں کو صدقہ کر کے مجھے بھیج دینگے تا کہ مجھے فائدہ دیں۔ یہ بات اچھی طرح نوٹ کریں کہ دنیا مجھ پر بالکل غمزدہ نہ ہوگی، دنیا کا نظام چلتا رہے گا اور اقتصادی سرگرمیاں رواں دواں رہیں گی۔ میری نوکری پر دوسرا آدمی مقرر ہو جائیگا، میرا مال میرے جائز وارثوں کو منتقل ہوجائیگا جبکہ مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا جائیگا چاہے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ حتی کہ کھجور کا ایک چھلکا ہی کیوں نہ ہو۔ میری موت کے ساتھ جو چیز سب سے پہلے مجھ سے چھین لی جائیگی وہ میرا نام ہوگا اسلئے جب میری سانس نکل جائیگی تو لوگ کہیں گے لاش کہاں ہے؟ یہاں میرا نام نہیں لیا جائیگا۔ اور جب نماز جنازہ کا وقت ہوگا تو لوگ کہیں گے جنازہ کہاں ہے؟ یہاں بھی میرا نام نہیں لیا جائیگا اور جب مجھے قبر میں اُتارنے کا وقت آجائے گا تو لوگ کہیں گے میت کہاں ہے؟ یہاں پھر میرا نام نہیں لیا جائیگا۔ اسلئے مجھے دھوکے میں نہیں رہنا چاہیئے اپنے نام، نسب، قبیلہ، منصب اور شہرت سے۔ تو کتنی حقیر ہے یہ دنیا، اور کتنی عظیم ہے وہ دنیا، جہاں ہم جارہے ہیں۔ تو اے زندہ انسانوں! تمہارے غمخوار تین طرح کے لوگ ہیں:

1۔ وہ لوگ جو آپ کو واجبی سے جانتے ہیں وہ کہیں گے۔ مسکین

2۔ تمہارے دوست جو چند ساعات یا چند ایام غمزدہ ہوں گے اور پھر اپنی معمول کی زندگی کی طرف لوٹیں گے اور آپس میں ہنسی مذاق کریں گے۔

3۔سب سے زیادہ غم تمہارے گھر میں ہوگا، تمہارے گھر کے لوگ غمزدہ رہیں گے۔ ہفتہ، دو ہفتے، مہینہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال، اور پھر اس کے بعد آپ کو یادداشتوں کے ریکارڈ روم میں محفوظ کریں گے۔لوگوں کے درمیان تمہارا قصہ مکمل ہوگیا اور اب حقیقی قصہ شروع ہوگیا اور وہ یہ کہ تمہارا جمال، مال، اولاد، عالیشان گھر اور بیویاں تم سے الگ ہوگئیں اور اب تمہارے پاس صرف تمہارا اعمال رہ گئے اور یہاں سے حقیقی زندگی شروع ہو گئی۔سوال یہ ہے کہ تم نے قبر اور آخرت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اسلئے پورے شوق کے ساتھ ان امور کا اہتمام کیجئے:

فرائض کا اہتمام، نوافل کی کثرت، خفیہ صدقے کی ادائیگی، نیک اعمال کے پیچھلے پہر اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر عاجزی کرنا، تاکہ تم نجات پا سکو۔اگر تم نے اپنی زندگی میں ان امور کے بارے میں لوگوں کو یاددہانی کرا دی تو تم کو اس کا بدلہ قیامت کے دن میزان حسنات میں بھاری ملے گا۔مرنے کے بعد انسان تمنا کرے گا کہ کاش میری زندگی کچھ اور لمبی ہوتی تو میں اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا۔یہ اسلئے کہ اس نے قیامت کے دن صدقے کا عظیم اجر و ثواب دیکھا، تو اے لوگو! زیادہ سے زیادہ صدقہ کرو۔

حیران کُن خبر۔سردار منیر ایڈووکیٹ

صدر کی طرف سے آرمی چیف کو برطرف کئے جانے کا حکم آرمی چیف کے ٹیبل پر پہنچایا گیا۔آرمی چیف نے حکم غور سے پڑھا، دراز سے ایک دوات نکالی، جیب سے قلم نکالا، قلم میں موجود سرکاری سیاہی اس دوات میں انڈیلی اور گاڑی کی چابیاں سیکریٹری کے حوالے کرتے ہوئے کہا ٹیکسی لے آؤ میں نے گھر جانا ہے۔سیکریٹری حیرت زدہ تھا کہ صاحب آج خلاف معمول صبح صبح ہی کیوں دفتر سے چھٹی کرنے جا رہے ہیں۔اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا صاحب! آپکی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ آرمی چیف نے اپنی برطرفی کا حکمنامہ سیکریٹری کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا ریاست کو اب میری خدمات کی ضرورت نہیں رہی سیکریٹری نے کہا سر! یہ زیادتی ہے۔آپ اس حکم کو ماننے سے انکار کردیں۔ہمارا ٹرپل ون بریگیڈ بالکل چوکس کھڑا ہے۔حکومت کمزور اور بیساکھیوں کے سہارے چل رہی ہے، آدھے سے زیادہ ملک پر صدر کے مخالفین نے قبضہ کر رکھا ہے، حکومتی رٹ صرف دارالحکومت کے 100 مربع میل علاقے تک محدود ہے۔آپ تو آرمی کے سربراہ ہیں۔صدر بذات خود اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ ہمارا ایک لانس نائیک چند درجن سپاہیوں کو لیکر اقتدار پر قبضہ کر سکتا ہے آپکو اس غیر قانونی حکم کیخلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہیئے۔آرمی چیف نے سرد آہ بھری اور بولا! کیا ہمارا آئین صدر کو اختیار نہیں دیتا کہ وہ جسے چاہے فوج کی کمان دے اور جسے چاہے برطرف کر دے؟ کیا میں نے یہ حلف نہیں دیا تھا کہ میں ریاست کے احکامات پر بِلا تردد عمل کروں گا؟ کیا میں نے قسم نہیں کھائی تھی کہ خود کو سیاسی معاملات اور اقتدار کی راہداریوں سے دور رکھوں گا؟ چیف نے اپنی سٹِک سیکریٹری کے ہاتھ میں تھمائی اور یہ کہتے ہوئے دروازے سے نکل گیا۔ہم کسی بنانا ریپبلک میں نہیں رہتے۔اوپر والی خبر ترکی یا کسی دیگر یورپی ملک کی نہیں، نصف صدی سے خانہ جنگی میں پھنسے ملک افغانستان کی ہے اور یہ حیران کن خبر زیادہ پرانی نہیں کل کی ہے۔پاکستان کے 98 فیصدی عوام انتہائی بے بس اور مجبور ہیں کیونکہ اس ملک پر 2 فیصدی مافیا راج کر رہی ہے کہیں چینی مافیا ہے کہیں لینڈ مافیا ہے کہیں بیوروکریسی مافیا ہے کہیں عدلیہ مافیا ہے کہیں سیاسی مافیا ہے کہیں وردی مافیا ہے کہیں مذہبی مافیا ہے اور اب میڈیا بھی ایک مافیا بن گیا ہے سب اپنا اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہیں اسلام کا حقیقی چہرہ سامنے لائے بغیر اس مملکت خداداد کی اصلاح ممکن نہیں ہے شیخ رشید ایک طاقتور وزیر داخلہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ میں چوروں کو سزا دینے کے لیئے یہاں

چین کا نظام انصاف لانا چاہتا ہوں لیکن میں بے بس ہوں اب ایک نیا ریپ مافیا بھی سامنے آگیا دیوار شمارہ اگست 2021 میں اسی موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

ایک سکھ بوٹا سنگھ کا انڈیا ٹی ہاؤس

1940ء میں ایک سکھ بوٹا سنگھ نے ''انڈیا ٹی ہاؤس'' کے نام سے یہ چائے خانہ شروع کیا...بوٹا سنگھ نے 1940ء سے 1944ء تک اس چائے خانہ و ہوٹل کو چلایا مگر اس کا کام کچھ اچھے طریقے سے نہ جم سکا۔بوٹا سنگھ کے چائے خانہ پر دو سکھ بھائی سرتیج سنگھ بھلا اور کیسر سنگھ بھلا جو گورنمنٹ کالج کے سٹوڈنٹ تھے اپنے دوستوں کے ہمراہ اکثر چائے پینے آتے تھے 1940ء میں یہ دونوں بھائی گورنمنٹ کالج سے گریجوایشن کر چکے تھے اور کسی کاروبار کے متعلق سوچ رہے تھے کہ ایک روز اس چائے خانہ پر بیٹھے، اس کے مالک بوٹا سنگھ سے بات چل نکلی اور بوٹا سنگھ نے یہ چائے خانہ ان کے حوالے کر دیا۔پاک ٹی ہاؤس لاہور میں مال روڈ پر واقع ہے جو کہ انارکلی بازار اور نیلا گنبد کے قریب ہے ایک سکھ بوٹا سنگھ نے انڈیا ٹی ہاؤس۔قیام پاکستان کے

بعد حافظ رحیم بخش صاحب جالندھر سے ہجرت کر کے لاہور آئے تو انہیں پاک ٹی ہاؤس 79 روپے ماہانہ کرایہ پر ملا۔ یہ چائے خانہ۔ انڈیا ٹی ہاؤس کے نام سے ہی چلتا رہا بعد میں ''انڈیا'' کاٹ کر پاک کا لفظ لکھ دیا گیا۔

دبلا پتلا بدن، دراز قد، آنکھوں میں ذہانت کی چمک، سادہ لباس، کم سخن، حافظ رحیم بخش کو دیکھ کر دلی و لکھنؤ کے قدیم وضعدار بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی حافظ صاحب کے دو بڑے بیٹوں علیم الدین اور سراج الدین نے پاک ٹی ہاؤس کی گدی کو سنبھالا۔ لاہور کے گم گشتہ چائے خانوں میں سب سے مشہور چائے خانہ پاک ٹی ہاؤس تھا جو ایک ادبی، تہذیبی اور ثقافتی علامت تھا پاک ٹی ہاؤس شاعروں، ادیبوں، نقاد کا مستقل اڈہ تھا جو ثقافتی، ادبی محافل کا انعقاد کرتی تھیں۔ پاک ٹی ہاؤس ادیبوں کا دوسرا گھر تھا اور کسی کو اس سے جدائی گوارا نہیں تھی وہ ٹی ہاؤس کے عروج کا زمانہ تھا۔ صبح سے لیکر رات تک ادبی محفلیں جمی رہتی تھیں یہاں ملک بھر سے نوجوان ان شخصیات سے ملاقات کرنے کیلئے آتے تھے تو ارکوٹی ہاؤس میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی تھی جو کوئی آتا کرسی نہ بھی ہوتی تو کسی دوست کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا یہاں شعر وادب پر بڑے شوق سے بحثیں ہوتی تھیں۔ ٹی ہاؤس میں بیٹھنے والے ادیبوں اور شاعروں میں سے سوائے چند ایک کے باقی کسی کا بھی کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں تھا کسی ادبی پرچے میں کوئی غزل، نظم یا کوئی افسانہ لکھ دیا تو پندرہ بیس روپے مل جاتے تھے لیکن کبھی کسی کے لب پر تنگی معاش کا شکوہ نہیں تھا ایسا کبھی نہیں تھا کہ کسی دوست کی جیب خالی ہے تو وہ ٹی ہاؤس کی چائے اور سگریٹوں سے محروم رہے جس کے پاس پیسے ہوتے تھے وہ نکال کے میز پر رکھ دیتا تھا جس کی جیب خالی ہوتی علیم الدین صاحب اس کے ساتھ بڑی فراخ دلی سے پیش آتے تھے اس وقت کے ادیبوں میں سے شاید ہی کوئی ادیب ہو جس نے پاک ٹی ہاؤس کی چائے کا ذائقہ نہ چکھا ہو۔ پاک ٹی ہاؤس کا بڑا دلکش ماحول ہوتا تھا نائیلون والا چمکیلا فرش، چوکور سفید پتھر کی میزیں، دیوار پر لگی قائداعظم کی تصویر، گیلری کو جاتی ہوئی سیڑھیاں، بازار کے رُخ پر لگی شیشے دار لمبی کھڑکیاں جو گرمیوں کی شاموں کو کھول دی جاتی تھیں۔۔ ٹی ہاؤس کے اندر کونے والے کاؤنٹر پر علیم الدین کا مسکراتا ہوا سانولا چہرا اُبھرتا اور بل کاٹتے وقت پیچھے کہیں دھیمے سروں میں ریڈیو بج رہا ہوتا تھا علیم الدین کی دھیمی اور شگفتہ مسکراہٹ تھی اس کے چمکیلے ہموار دانت موتیوں کی طرح چمکتے تھے ٹی ہاؤس کی فضا میں کیپسٹن سگریٹ اور سگار کا بل کھاتا ہوا دھواں گردش کرتا تھا ٹی ہاؤس کی سنہری چائے، قہوہ اور فروٹ کیک کی خوشبو بھی دل کو لبھاتی تھی کبھی کبھی کاؤنٹر پر رکھا ہوا ٹیلیفون یک دم بج اُٹھتا تھا۔

ہجرت کر کے آنے والوں کو پاک ٹی ہاؤس نے اپنی گود میں پناہ دی۔ کسی نے کہا میں انبالے سے آیا ہوں میرا نام ناصر کاظمی ہے۔ کسی نے کہا میں گڑھ مکستر سے آیا ہوں میرا نام اشفاق احمد ہے۔ کسی نے کہا میرا نام ابن انشاء ہے اور میرا تعلق لاہور سے ہے۔ وہ بڑے چمکیلے اور روشن دن تھے ادیبوں کا سارا دن ٹی ہاؤس میں گزرتا تھا زیادہ تر ادیبوں کا تخلیقی کام اسی زمانے میں انجام پایا تھا۔ ناصر کاظمی نے بہترین غزلیں اسی زمانے میں لکھیں۔ اشفاق احمد نے گڈریا اسی زمانے میں لکھا۔ شعر و ادب کا یہ تعلق پاک ٹی ہاؤس ہی سے شروع ہوا تھا۔ ناصر کاظمی سگریٹ انگلیوں میں دبائے، سگریٹ والا ہاتھ منہ کے ذرا قریب رکھے ٹی ہاؤس میں داخل ہوتا تھا اور اشفاق احمد سائیکل پر سوار پاک ٹی ہاؤس آتا تھا۔ پاک ٹی ہاؤس میں داخل ہوں تو دائیں جانب شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک صوفہ لگا ہوا تھا سامنے ایک لمبی میز بچھی میز کی تینوں جانب کرسیاں رکھی ہوئی تھیں، انتظار حسین، قیوم نظر، شہرت بخاری، انجم رومانی، امجد الطاف امجد، احمد مشتاق، مبارک احمد وغیرہ کی محفل شام کے وقت اسی میز پر لگتی تھی۔ سعادت حسن منٹو، اے حمید، فیض احمد فیض، ابن انشاء، احمد فراز، منیر نیازی، میراں جی، کرشن چندر، کمال رضوی، ناصر کاظمی، پروفیسر سید سجاد رضوی، استاد امانت علی خان، ڈاکٹر محمد باقر، انتظار حسین،، قیوم نظر، انجم رومانی، امجد الطاف امجد، انور جلال، عباس احمد عباسی، ہیرو حبیب، سلو، شجاع، ڈاکٹر ضیاء، ڈاکٹر عبادت بریلوی، سید وقار عظیم وغیرہ پاک ٹی ہاؤس کی جان تھے۔ شاعر اور ادیب اپنے اپنے تخلیقی کاموں میں مگن تھے ادب اپنے عروج پہ تھا اس زمانے کی لکھی ہوئی غزلیں، نظمیں، افسانے اور مضامین آج کے اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں اس زمانے کی بوئی ہوئی زرخیز فصل کو ہم آج کاٹ رہے ہیں۔ عرصہ دراز تک اہل قلم کو اپنی آغوش میں پناہ دینے کے بعد 2000ء میں جب ٹی ہاؤس کے مالک نے اسے بند کرنے کا اعلان کیا تو ادبی حلقوں میں تشویس کی لہر دوڑ گئی ادیبوں اور شاعروں نے اس چائے خانے کی بندش کے خلاف مظاہرہ کیا اور یہ کیس عدالت میں بھی گیا اور بعض عالمی نشریاتی اداروں نے بھی احتجاج کیا آخر کار 31 دسمبر 2000ء کو یہ دوبارہ کھل گیا اور اہل قلم یہاں دوبارہ بیٹھنے لگے لیکن 6 سال کے بعد 2006ء میں یہ دوبارہ بند ہو گیا۔ اس طرح یہ تاریخی، ادبی اور ثقافتی ورثہ نصف صدی تک اہل قلم کی میزبانی کرنے کے بعد اپنے پیچھے علم وادب کی دنیا کی کئی داستانیں چھوڑ گیا اب اس کے بند شٹر اور اوپر لکھا ہوا بورڈ

صرف ماضی کے ایک ادبی ورثہ کی یاد دلانے لگا. نگینہ بیکری، چوپال، شیزان اور عرب ہوٹل کی طرح یہ بھی ماضی کا حصہ بن گیا پاک ٹی ہاؤس کی بحالی لاہور کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کا ایک مسلسل دیرینہ مطالبہ رہا ہے۔ اے حمید ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں اور اشفاق احمد دیر تک ٹی ہاوس میں بیٹھے گزرے زمانے کو، گزرے زمانے کے چہروں کو یاد کرتے رہے، کیسے کیسے لوگ تھے، کیسے کیسے چمکیلے چہرے تھے جو ادب کے آسمان پر ستارے بن کر چمکے اور پھر اپنے پیچھے روشنی کی لکیریں چھوڑ کر نظروں سے غائب ہو گئے کبھی ٹی ہاوس کے کاؤنٹر پر رکھے گلدان میں نرگس اور گلاب کے پھول مہکا کرتے تھے شیشوں میں سے ان پر سردیوں کی دھوپ پڑتی تو وہ بجلی کے بلب کی طرح روشن ہو جاتے اب کاؤنٹر پر نہ گلدان ہے نہ گلدان کے پھول ہیں صرف میں اور اشفاق احمد میز کے آمنے سامنے سر کو جھکائے بیٹھے پرانے دنوں کو یاد کر رہے ہیں۔

***

اعظم نوید

نفرتوں کی آگ ہر سُو چُھپ کے بھڑکائی گئی
پابجولاں زیست دیواروں میں چُنوائی گئی
ایک زندہ نعش کی صُورت ہے سارا یہ جہاں
ظُلم پر بھی چُپ ہیں رہتے جیسے گویائی گئی
جن کی فطرت میں تھا ڈسنا ہرگھڑی ڈستے رہے
پھر قُرونِ اُولیٰ کی تاریخ دُہرائی گئی
عُمر بھر کی چاہتوں کا ہے صِلہ کس کو مِلا
ہجر میں رو رو کے آنکھوں کی ہے بینائی گئی
فاصلے صدیوں کے کاٹے تو خبر دل کو ہوئی
ذات جس کی جستجو تھی دل میں ہے پائی گئی
ایک جاہل کی جہالت نے اُجاڑی فصلِ گُل
سائے کی صورت ہمارے ساتھ رسوائی گئی
شرم کا پیکر اسے کہتے بھی شرماتا ہے دل
بےحجابی جس کے سینے میں ہے دفنائی گئی
بےبسی نے کر دیے مسدود سارے راستے
زندگی کے باب سے ساری ہے رعنائی گئی
صندلی ہاتھوں پہ قُدرت نے نہ جانے کیا لکھا
مرتے دَم تک ساتھ اپنے غم کی شہنائی گئی
اک کرونا سے ہوئیں سب طاقتیں زیر و زبر
ان کی نخوت خوب قدرت سے ہے پٹوائی گئی
آگئی ہیں راس اعظم دل کو بھی ویرانیاں
جس جگہ بھی ہم گئے ہیں ساتھ تنہائی گئی

آصفہ قاضی ۔ بنتِ حوا ذرا سنبھل کر۔!!!

شاذیہ ظفر

دور طالبعلمی کی بات ہے کہ ہماری ایک کالج فیلو ہوا کرتی تھیں جن کے گھر میں پردے کا بڑا سخت رواج تھا.. اُس وقت موجودہ دور کی طرح حجاب اور اسکارف فیشن کا حصہ بن کر اتنے عام نہیں ہوئے تھے لہذا کم کم ہی لڑکیاں تھیں جو اتنا مکمل پردہ کرتی تھیں کہ انکی صرف آنکھیں ہی نظر آئیں۔ لہٰذا وہ موصوفہ والد صاحب کی سختی کی وجہ سے بادل نخواستہ مکمل حجاب میں تو کالج آتیں مگر آتے وقت اور پھر کالج سے واپسی پر بھی نئے سرے سے اپنی بڑی بڑی حسین آنکھوں میں زمانے بھر کا مسکارا اور لائنر تھوپ لیتیں اور یوں حجاب میں رہتے ہوئے بھی اپنی پلکوں کی چلمن گرانے اُٹھانے، بڑی ادا سے اپنی نشیلی آنکھوں کو گھمانے میں جتنا ممکن ہوسکتا تھا ایسی بے حجابی دکھا لیتی تھیں کہ یہ ناز و انداز دیکھ کر باقی لڑکیاں کانوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہتیں کہ ان سے تو ہم بے پردہ ہی بھلے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کچھ یہی حال سوشل میڈیا پہ بھی دکھائی دیتا ہے۔

یہاں عمومی تاثر یہی ہے کہ بس خود کو پوشیدہ رکھنا ہی کافی ہے۔ شخصیت کی پردہ داری بہت ہے۔ اسکے بعد کھلی چھٹی ہے جو مرضی کہیں اور جیسی مرضی چاہیں پوسٹس لگائیں، دراصل بدقسمتی سے ہمارے ہاں حیا کا بہت عام اور سطحی پیمانہ صرف پردے اور ستر لباس سے ہی مشروط سمجھا جاتا ہے جبکہ حیا کے لغوی معنی وقار، سنجیدگی اور متانت کے ہیں۔ حیا صرف اپنی شخصیت کو پردے میں ملفوف کرنے کا نام نہیں ہے۔ یہ گفتار میں بھی نظر آنی چاھیئے اور تحریر میں بھی اور اپنی پبلک پوسٹس میں بھی یہی احتیاط ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے... اکثر و بیشتر کتنی ہی ایسی پوسٹیں نظر سے گزرتی ہیں جس میں نوعمر بچیاں جو کہ بظاہر خود کو پردہ دار اور باحجاب کہتی ہیں اپنی تحاریر میں اپنے مستقبل، اپنی شادی اور اپنے ہونے والے شوہر سے متعلق اپنے بہت ہی ذاتی خیالات اور خواہشات بلاجھجک شئیر کر دیتی ہیں... سپنے دیکھنا غلط نہیں ہے لیکن ان سپنوں کی اپنی وال پہ اور خصوصاً پبلک پوسٹس میں یوں تشہیر ضرور معیوب ہے۔ اور اس سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے جب ایسی پوسٹس پر دین کی علمبردار اور بہت سی سمجھدار خواتین بھی دعائیہ، تعریفی اور ستائشی کمنٹس پاس کر رہی ہوتی ہیں... کیوں نہیں اس خاتون یا

بچی کی مناسب انداز میں اصلاح کی جاتی کہ آپ کے لیے حیا کے تقاضے پورے کرنا تحریر میں بھی اتنا ہی لازم ہے جتنا کے لباس میں ۔ یہ نجی نہیں بلکہ عوامی پلیٹ فارم ہے۔ ایسی پبلک پوسٹس لگا کر ہزاروں لوگوں کو متوجہ کرنا بہت نامناسب اور خطرناک عمل ہے۔ بلاوجہ کیوں لوگوں کی آتشِ شوق بھڑکائی جائے۔کبھی کوئی باحجاب خاتون اپنی پوسٹس میں اپنے گمنام فالورز کی جانب سے ملنے والے تحائف کی فخریہ تشہیر کرتی دیتی ہیں۔ یوں باقی فالورز کو بھی اس نیکی کی ترغیب دلاتی ہیں...کوئی سیر سپاٹوں پہ جانے کے لیے اپنے محرم کی تلاش میں دعائیں کر کر ہلکان ہیں...پھر بہت سی باپردہ خواتین ایسی بھی ہیں کہ مختلف بولڈ موضوعات پہ انکے بے محابا کمنٹس حیران ہی کر دیتے ہیں...مرد حضرات کی وال پہ اگر کوئی گرما گرم موضوع، سوشل ایشو چھڑا ہوا ہے تو ضروری نہیں کہ آپ وہاں آستینیں چڑھا کر بے دھڑک کوئی بھی بیان جاری کرنے پہنچ جائیں...بس کہیں بھی کچھ بھی کھل کے کہہ دو کہ کونسا ہم پہچان لی جائیں گی۔ کیونکہ بھئی نہ تو ہم یہاں دیگر خواتین کی طرح اپنی شکل دکھانے کی بے حیائی کرتے ہیں اور نہ ہی ہم یہاں اپنے اصل نام سے موجود ہیں۔ لہٰذا پردہ داری کی آڑ میں سب کہہ دو۔ دھیان رکھیئے کہ یہ پاپا کی پرنسس ، بنت، ام، اخت، اہلیہ، مسز، زوجہ، سونو، مونو اور دیگر فیک نکی ناموں کی آئی ڈیز یہ سب بھی صنف نازک ہونے کے حوالے ہی ہیں...اور آپ یہاں بہرحال ایک خاتون کی حیثیت سے ہی موجود ہیں۔ ان سب باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم خواتین اپنی صنف کی نمائندگی ہی نہ کریں سوشل میڈیا پر متحرک نہ ہوں... پتھر کے دور میں چلی جائیں اور اپنی شخصیت کو گمنام کر لیں۔ ہرگز نہیں۔ اپنا بھرپور کردار ادا کرنا اور اپنی موجودگی یا اپنی رائے کا اظہار بھی کرنا۔ اوراس طاقتور پلیٹ فارم سے مثبت چیزیں سیکھنے اور سکھانے کا عمل ضرور جاری رکھنا چاہیئے لیکن ہر قدم پہ احتیاط پسندی، نپا تلا اور باوقار انداز اولین ترجیح ہونا چاہیئے۔

خصوصاً پبلک پوسٹ سے کیسا پیغام جا رہا ہے یہ لحاظ رکھنا اور اپنی حدود متعین کرنا بہت ضروری ہے۔ سارا قصور مردوں ہی پر نہ ڈالیئے۔ کچھ تو خود بھی احتیاط کیجیئے۔ ورنہ پھر یہ رونے بھی مت رویئے کہ لوگ فضول سے کمنٹس کر دیتے ہیں، انباکس اپروچ کرتے ہیں، ہمیں پریشان کرتے ہیں۔صرف باپردہ ہونا ہی عفت مآب ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتا اور حیاداری صرف چہرے کا پردہ کرنے سے ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ ہمارے کمنٹس اور ہماری پوسٹس بھی انکی عکاس ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر طاہرہ کاظمی

کی ایک تحریر جو انہوں نے اگرچہ ایک خاص پس منظر میں لکھی اور پولیانا سینڈروم کا شکار صرف ایک خاص صنف کی بابت بات کی لیکن چونکہ یہ بیماری ظاہر ہے عمومی ہے اس لئے میں ان کی تحریر کے صرف وہ خاص حصے شیئر کر رہی ہوں جو عمومی ہیں۔ مجھے لگتا ہے کئی ایک معاملات میں میں خود اس بیماری میں مبتلا ہوں مگر دل سے خواہشمند ہوں کہ ڈاکٹر صاحبہ کی والدہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ''کند'' رکھنے کی عادت اپنا لوں۔ یہ کند کیا ہے آپ بھی پڑھیئے۔ ''ہماری اماں کو ہم تینوں بہنوں سے ایک شکایت تھی اور مرتے دم تک رہی۔ کہتیں ''ارے تم لڑکیاں عجیب ہو، ہر کسی کو فرشتہ سمجھ لیتی ہو۔ کسی سے اگر اذیت پہنچے تو'' کند''نہیں رکھتی ہو دل میں۔ کوئی تکلیف پہنچائے تو معاف بے شک کیا کرو لیکن دل میں کند رکھا کرو، اس واقعہ اور شخص سے، جس نے تمہیں اذیت دی۔ کند تمہیں بتائے گی کہ اب اس شخص سے یا تو ملنا نہیں ہے یا محتاط ہو کے ملنا ہے۔ اپنے آپ سے محبت کیا کرو، اپنی زندگی سے محبت کرو'' توبہ ہے، امی کیا سبق پڑھاتی رہتی ہیں؟'' ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھ کے ہنستے۔ وہ ہمیں ہنستا دیکھ کے مسکراتیں'' اور کیا، میں اتنی پڑھی لکھی تو نہیں۔ لیکن میں اپنی بے عزتی کبھی نہیں بھولتی اور رستہ ہی بدل لیتی ہوں جب مجھے محسوس ہو جائے کہ میری عزت نفس کو پھر سے ضرب اور میری ذات کو دوبارہ نقصان پہنچے گا۔ جبکہ تم تینوں بہنیں معاف بھی کرتی چلی جاتی ہو۔ دل میں رنجش بھی نہیں پالتیں، نتیجتاً دل پہ ضربیں لگتی اور داغ بڑھتے چلے جاتے ہیں'' ہم تینوں ہنستے، واہ کیا دبنگ اماں ہیں۔ ایک طرف اتنی نرم دل کہ سارے جہاں کا درد دل میں لے کر پھریں اور دوسری طرف عزت نفس کی اتنی پرواہ کہ معاف تو کر دیتی ہیں لیکن کنارہ کش ہو کے اپنی ذات کو مٹی میں نہیں ملنے دیتیں۔

'' آپا یہ'' کند'' کو اردو میں کیا کہیں گے؟'' ہم پوچھتے، آپا سوچ میں پڑ جاتیں،'' انا یا عزت نفس یا شاید دل میں کسی رنجش کے جواب میں آیا ہوا ملال یا کھنچاؤ'' افسوس اماں کا بتایا ہوا لفظ تو ہمیشہ یاد رہا لیکن ہم اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ شاید اماں جیسے مضبوط دل کے مالک ہی نہیں تھے۔ آج اماں سے جڑے اس لفظ کی یاد یوں آئی کہ ہم کچھ لکھنا چاہ رہے تھے جہاں اس لفظ کی اشد ضرورت تھی لیکن ایسے ہی خیال آیا کہ اس لفظ کا حدود اربعہ تو جان لیا

جائے۔صاحب یقین کیجئے بیسیوں صاحب علم سے پوچھ لیا مگر سب لفظ کند سے نا آشنا نکلے۔آخر ہماری مشکل وجاہت مسعود صاحب کی وساطت سے حل ہوئی اور لفظ کند کے موجود ہونے پہ مہر لگی۔

(پنجابی لفظ کند زیر کے ساتھ، kindh)

کند کچھ یوں یاد آیا کہ ہماری نظر سے ایک سنڈروم گزرا اور یقین جانئے کہ ہم یہ جان کر اُچھل پڑے کہ اماں کا لفظ کند پولیانا سنڈروم (Pollyanna syndrome) کا دوسرا نام تھا۔کیا ہماری پانچ جماعت پڑھی اماں زندگی کا اتنا گہرا علم رکھتی تھیں کہ بیٹیوں کو سایئکالوجی کے رموز سے آگاہ کر رہی تھیں، ہم نے حیرت سے سوچا۔پولیانا انیس سو تیرہ میں لکھا جانے والا ایک ناول جس کا بنیادی کردار پولیانا نامی بچی ہے جو ہر کسی میں مثبت چیزیں دیکھتی ہے اور منفی باتوں کو نظر انداز کر دیتی ہے۔اس ناول پہ انیس سو ساٹھ میں فلم بھی اسی نام سے بنی۔انیس سو اٹہتر میں دو سائیکالوجسٹس مارگریٹ میٹلن اور ڈیوڈ وینگ نے پولیانا پرنسپل کا خیال پیش کیا جس کے مطابق کچھ لوگوں کا دماغ بری یادوں کو یا تو محفوظ نہیں رکھتا اور اگر رکھے بھی تو اس کو کسی نہ کسی زاویے سے خوشگواریت میں بدل دیتا ہے اسے پوزیٹیوٹی باس بھی کہا جاتا ہے۔اس پرنسپل پر ریسرچ اور تنقید کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ پولیانا پرنسپل لوگوں کو زندگی کی رُکاوٹوں اور مشکلات سے مقابلہ کرنے میں رُکاوٹیں ڈالتا ہے۔پولیانا ان کو وہ کچھ دیکھنے اور سمجھنے ہی نہیں دیتا جس کی زندگی گزارنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔پولیانا سنڈروم کا شکار ایسا انسان جسے ہر طرف ہرا ہرا نظر آتا ہے، جس کے لئے منفی باتیں الارم نہیں بجاتیں اور اگر محسوس ہوں بھی تو حد سے بڑھا مثبت انداز فکر مجبور کر دیتا ہے کہ ان باتوں کو دیکھا ہی نہ جائے یا دیکھ کر بھلا دیا جائے۔ ایسے لوگوں کو نابینا خوش فہم کہا جاسکتا ہے۔

پولیانا سنڈروم سے وابستہ خطرات خودساختہ خوش فہمیاں:

یہ درست ہے کہ مثبت انداز فکر رکھنا چاہیے مگر زندگی میں منفی واقعات کو سراسر نظر انداز کرنا ایک خطرہ ثابت ہوسکتا ہے۔منفی پہلو زندگی کا ایک حصہ ہیں اور ان کو جاننا پہچاننا ہی انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ خطرے کو سونگھ سکے اور ناانصافی کے خلاف جنگ کر سکے۔منفی رُجحان سے مقابلہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اس کو شناخت کر لیا جائے۔دوسری طرف اگر ہم اپنے خوش فہمی کے غبارے میں قید رہیں گے تو انہونی کا مقابلہ کیسے کریں گے؟

نظر انداز کرنے کی عادت:

تعلقات چاہے وہ میاں بیوی کے درمیان ہوں، بہن بھائی یوں، پارٹنرز، محبت کرنے والوں اور دوستوں کے بیچ، یاد رکھئے کہ ناانصافی، برے کلمات، برا سلوک اور ذہنی وجسمانی تشدد کو نظر انداز نہ کیجئے۔عام طور پہ ہوتا کیا ہے کہ لوگ ان سب علامات پہ بات کرنے کی بجائے انہیں چھپانے اور نظر انداز کرنے کی عادت اپناتے ہیں۔اس امید پہ کہ زندگی کی گاڑی چلتی جائے اور انہیں اس سٹریس سے پالا نہ پڑے جو معاشرے یا خاندان کی طرف سے آئے گا یا جو علیحدگی کی صورت میں جذباتی دھچکا پہنچے گا۔برسہابرس آنکھیں بند کر کے گزاری جانے والی زندگی کا انجام ہم اپنے چاروں طرف دیکھ سکتے ہیں۔

قسمت خوشحالی اور مشکلات!

احتجاج اور مشکلات کا سامنا وہ لوگ نہیں سیکھ پاتے جن کی زندگی پھولوں کا بستر ہوتی ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجیے کہ ہمیں زندگی کے مسائل ہی زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ان مسائل سے گزرتے ہوئے ان کو پہچاننا، سمجھنا اور ان کی نشاندہی کرنا ہی ایک انسان میں دانش، عقل، طاقت، خود اعتمادی، فیصلہ سازی اور دوبارہ اٹھنے کی ہمت پیدا کرتا ہے۔دوسرے لفظوں میں زندگی کے سمندر میں تیر کر مشکلات سے کھیل کر ہی اپنی قسمت بنانا ہر کسی کا شعار ہونا چاہیے۔دولت کی ریل پیل، پر تعیش زندگی، زندگی کے بنیادی حقائق سے لاعلمی، احباب کے دوغلے پن سے پہلوتہی، اپنی ذات پہ اندھا اعتماد، تنقیدی نگاہ وفکر کی کمی، زندگی کو خوش فہمی کے عدسے سے دیکھنے کی عادت، اپنے آپ کو اچھا اور ہمدرد ثابت کرنے کی خواہش، منفی کو مثبت میں بدل دینے کی تمنا، متشددانہ روّیوں کو نظر انداز کرنے کی عادت، ساتھی کے روّیوں کو بدل دینے کی آرزو اگر ہے تو سمجھ لیجئے آپ پولیانا سنڈروم کا شکار ہیں۔خدارا سوچ وفکر کو اپنا ہتھیار بنا یئے، خوش فہمیوں سے پیچھا چھڑائیے، دیوی بن کر زندگی گزارنے کی بجائے ''کند'' رکھئے۔جی وہی ہماری اماں کی بتائی ہوئی ''کند''!

اپنی بیٹیوں کو "عینی بلیدی اور نورمقدم سینڈروم" سے بچائیں!

ظاہر جعفر کو سزا سے بچنے کے لیے تین فائدے حاصل ہیں۔

1-امریکی شہری۔۲۔-ذہنی مریض۔۳۔-دولت۔

یہ تینوں فائدے ملکر ایک اور ''ریمنڈڈیوس'' تخلیق کر سکتے ہیں جس پہ

میرا یا آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے! (اسی طرح عینی کے شوہر کا اثر ورسوخ اسے بھی سزا سے بچا سکتا ہے اس پہ بھی ہمارا کوئی اختیار نہیں) جس چیز پہ میرا اور آپ کا اختیار ہے وہ یہ ہے کہ اپنی بیٹیوں کو ان ذہنی مریضوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچائیں! سب سے اہم بات یہ ہے کہ بجائے ایسے کیسز کو چھپانے اور آئیں بائیں شائیں کرنے کے اپنے بچوں اور خاص طور پہ بیٹیوں کے ساتھ اس کو ڈسکس کریں۔ انہیں یہ حقائق زور دے کر سمجھائیں۔

1۔ انہیں سمجھائیں کہ اپنی جان کی حفاظت انہیں خود کرنی ہے۔ 2۔ چاہے کوئی لڑکا یا شوہر انہیں کتنا ہی پسند کیوں نہ ہو انہیں اس کی پہلی گالی، پہلی چیخ و پکار اور پہلے تھپڑ پہ ہی شدید احتجاج کر کے اسے روکنا ہوگا۔ اس فینٹسی کا شکار مت ہوں کہ ''کیا ہوا مارتا یا گالیاں دیتا ہے۔ شاپنگ بھی تو کراتا ہے'' یہ ایک ذہنی مریض کا حوصلہ بڑھانے والی سوچ ہے۔ 3۔ تھرڈ کلاس ڈرامے دیکھ دیکھ کر اپنے آپ کو ضائع مت کریں۔ 4۔ چھوٹے چھوٹے تحفے پانے کے لئے خود کو اتنا مت گرائیں کہ ایک دن آپ کا سر دھڑ سے جدا کر دیا جائے۔ 5۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ جو لڑکا آپ کو شادی سے پہلے بستر میں لے جائے گا وہ کبھی آپ سے شادی نہیں کرے گا۔ بلکہ آپ کی وڈیوز بنا کر دوستوں کے ساتھ انجوائے کرتا رہے گا۔ 6۔ اگر آپ کی بیٹی یا بیٹا شادی کی عمر کو پہنچ گیا ہے تو بلاوجہ شادی میں دیر مت کریں۔ جلد از جلد ان کی شادیاں کر دیں۔ تاکہ وہ کسی قسم کی فضولیات میں نہ پڑیں۔ پڑھائی وغیرہ بعد میں بھی مکمل کی جا سکتی ہے۔ 7۔ بچوں کے کمروں اور الماریوں پہ نظر رکھیں۔ جو چیزیں آپ نے انہیں خرید کر نہیں دیں لیکن وہ چیزیں ان کے پاس موجود ہیں تو ان کی موجودگی پہ خوش ہونے کی بجائے سختی سے سوال کریں۔ 8۔ بغیر اجازت بچوں کو کسی کے گھر جانے پہ منع کریں۔ جن بچوں سے وہ ملتے ہیں ان کے والدین سے خود بات کرتے رہیں۔ 9۔ کبھی بچوں کے چہرے یا جسم پہ کوئی چوٹ کا نشان نظر آئے تو اسے نظر انداز کرنے کی بجائے اس کی تفتیش کریں۔ 10۔ بیٹیوں کو خاص طور پر سمجھائیں کہ اب ''بہشتی زیور کے مجازی خدا'' کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اگر اسے اپنے شوہر سے شکایت ہے کہ وہ ذہنی یا جسمانی تشدد کرتا ہے تو اس کی ''عزت'' رکھنے کی بجائے اپنے ماں باپ سے اس کا ذکر کرے۔ آپ والدین بھی ''زمانہ کیا کہے گا'' کا پہاڑا پڑھنے کی بجائے اپنی بیٹیوں کو ان خرد ماغ شوہروں سے بچائیں۔ یاد رکھیں کہ اپنے بچوں کی صحت و سلامتی سے کچھ بھی اہم نہیں ہے! یہی اللہ اور رسول کا حکم ہے۔ یہی اخلاقیات کا تقاضا ہے۔ اور یہی انسانیت پہ اعتبار قائم رکھنے کا واحد راستہ ہے! اللہ سوہنا ہم سب کے بچوں کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور انہیں نور مقدم اور ظاہر جعفر بننے سے بچائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

ثمینہ تبسم: مشرقی بیوی اور مغربی بیوی

میں ایک عالمی فلاحی تنظیم کا ممبر ہوں، یہ تقریباً دنیا کی سب سے بڑی این جی او ہے، کچھ سال قبل اس کے ایک انٹرنیشنل ڈائریکٹر سالانہ کنونشن کے موقع پر بطور مہمان خصوصی آ رہے تھے تو ائیر پورٹ پر ان کے استقبال کیلئے مجھے چیئر پرسن مقرر کر دیا گیا۔ چیئر پرسن ہونے کا مطلب ہے، پورا استقبالیہ ترتیب دینا، اس پر کافی خرچہ ہو جاتا ہے، سال بھر میں ایسے کئی استقبالیئے مختلف لوگوں کے ذمے لگتے ہیں، پھر جس کسی نے اچھا اہتمام کیا ہوا سے سالانہ کنوینشن میں ایوارڈ ملنے کا بھی چانس ہوتا ہے اور یہ ایونٹس انٹرنیشنل میگزین میں بھی پبلش ہوتے ہیں۔ میری اس تقریب میں سات آٹھ خواتین اور پندرہ کے قریب جینٹس عہدیدار شامل تھے، چیف گیسٹ اور ان کی وائف جب ائیر پورٹ سے باہر آئے تو دو بچوں نے ان کو گلدستے پیش کئے، مہمان اتنے خوش ہوئے کہ بچوں کو گود میں اٹھا لیا اور اگلے دن کنوینشن میں اپنی تقریر کے دوران بھی خصوصی تذکرہ کیا کہ پاکستانی بہت پیار کرنے والے لوگ ہیں، آدھی رات کو ہمیں دو ننھے منے بچوں نے ریسیو کر کے دل موہ لیا، ہم بہت متاثر ہوئے وغیرہ وغیرہ، لگ بھگ ایک ہزار لوگوں کی گیدرنگ تھی، بہت تالیاں بجیں اور مجھے ایوارڈ بھی مل گیا اور بعد میں ایونٹ بھی پبلش ہو گیا۔ یہ پس منظر تھا، اصل قصہ اب شروع ہوتا، ائیر پورٹ پر میرے ساتھ بیوی بچوں کو دیکھ کے این جی او کے مقامی سربراہ کہنے لگے، یہ صرف ہمارے ہاں مشرق میں ہوتا ہے کہ شوہر نے آدھی رات کو بھی کہیں جانے کا کہا تو بیوی بچے ساتھ تیار ہو جاتے ہیں، مغرب میں ایسا اتفاق دیکھنے کو نہیں ملتا، دنیا مادیت پرست ہے، مشرق اقدار پسند ہے، یہ جو مشرقیت ہے یہ بہت اچھی چیز ہے، مشرقیت یوں ہے، مشرقیت ووں ہے، میاں بیوی ہر خوشی غمی میں ایک دوسرے کیساتھ کھڑے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی تقریباً پس منظر ہی تھا، اصلی قصہ اب شروع ہوتا ہے۔

پھر وہ اچانک پوچھنے لگے، کہیں ایسا تو نہیں تم نے انہیں سوتے سے اُٹھا کے زبردستی لا یا ہو، میرا مشرقیت والا اندازہ غلط بھی ہوسکتا ہے، ایسا میرے

ساتھ ایکبار ہو چکا ہے۔ پھر انہوں نے قصہ سنایا کہ ایک عزیز امریکہ سے شادی اٹینڈ کرنے آیا تو میں انہیں بارات میں لیجانے کیلئے ہوٹل چلا گیا، اس نے کمرہ کھولا تو اس کی بیوی اس کے بوٹ پالش کر رہی تھی، مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے اس کی مشرقیت کی بہت تعریفیں کیں، ان کی اس انڈرسٹینڈنگ پر بہت خوشی کا اظہار کیا بلکہ بیس سال امریکہ میں رہ کر بھی مشرقی اقدار قائم رکھنے پر بھابھی کے اعزاز میں خصوصی ڈنر دینے کا اعلان کر دیا۔ تب وہ عزیز کہنے لگا، بس کرو بھائی، رہنے دو، دراصل میں نے ہوٹل کی روم سروس کو بوٹ پالش کرنے کا کہا تھا تو وہ دس ڈالر مانگ رہے تھے، اس پر بیگم کہنے لگی یہی دس ڈالر تم غیروں کو دینے کی بجائے اگر مجھے دیدو تو میں پالش کر دیتی ہوں، کام بھی جلدی ہو جائے گا۔ شرقی اقدار واقعی بہت اچھی ہیں، مشرقیت کے تحت میں نے بھی کنٹری چیف کو یہ نہیں بتایا کہ لمبڑدارنی کو قریب سے جولیا میڈم دیکھنے اور اس کیساتھ فوٹو بنوانے کا شوق نہ ہوتا تو یہ بھی آدھی رات کو میرے ساتھ کبھی نہ آتیں اور باقی کی سات آٹھ خواتین بھی اسی چکر میں آئی ہیں کہ گوری میم کیساتھ فوٹو دکھا کے رشتے داروں کو چڑائیں گی۔

بے لگام معاشرہ

السلام علیکم دوستوں! میں اُمید کرتی ہوں آپ لوگ دنیا کے کسی بھی خطے میں مجھے دیکھ رہے ہوں خیریت سے ہوں گے۔ دوستوں آج ذکر ہے ایک ٹویٹ کا جس نے ایک بھیانک حقیقت کھول کر سامنے رکھ دی۔ اور یہ ٹویٹ ہے وزیر اعظم کے ایک طاقتور مُشیر شہزاد اکبر کی جنہوں نے لکھا کہ حکومت مخالف رُکن اسمبلی نظیر چوہان نے انہیں احمدی کہہ کر نہ صرف یہ کہ اُن کی شہرت کو نقصان پہنچایا بلکہ اُن کی جان و مال کو بھی خطرے میں ڈال دیا۔ یہ پوری کہانی کچھ یوں ہے کہ مُشیر شہزاد اکبر نے رُکنِ اسمبلی نظیر چوہان کے خلاف مقدمہ درج کرواتے ہوئے اپنی درخواست میں یہ لکھا کہ میں ایک باعمل مسلمان ہوں اور ختم نبوت پر یقین رکھتا ہوں۔ محترم مُشیر نے اپنی درخواست میں مزید یہ کہا کہ نظیر چوہان نے اپنے بیان سے نہ صرف میرے مذہبی عقائد کو نقصان پہنچایا ہے بلکہ میرا وقار، ملکیت اور جان بھی خطرات میں گھر گئی۔ کیونکہ اُن کا یہ متنازعہ بیان سوشل میڈیا پر وائرل ہو گیا جو میرے خلاف بڑے پیمانے پر نفرت کا سبب بن رہا ہے۔ شہزاد اکبر بہت اثر و رسوخ والے مُشیر ہیں لحاظ اُن کی رپورٹ پر مذہبی منافرت پھیلانے کے الزام میں پولیس نے نظیر چوہان کو فوراً گرفتار کر لیا۔ ملک میں چونکہ سیاسی چالوں کی بساط ہمیشہ ہی بچھی رہتی ہے اس لیے نظیر چوہان گرفتار تو ہو گئے مگر پھر بظاہر دل میں تکلیف کے باعث وہ ہسپتال پہنچا دیئے گئے جہاں انہوں نے مشیر شہزاد اکبر سے اپنے متنازعہ بیان پر کھل کر مُعافی مانگی اور وزیر اعظم عمران خان کے حق میں بیان دیا اور یوں بظاہر یہ معاملہ رفع دفعہ ہو گیا۔ یہ الگ بحث ہے کہ کیا ملزم کا یوں مُعافی مانگ لینا کافی ہے اور کیا اس بیان سے بغیر سزا کے یہ معاملہ ختم ہونا چاہئے۔ لیکن یہ اس وقت میرا موضوع نہیں ہے۔ میں شہزاد اکبر یا کسی کے بھی خلاف مذہب کارڈ استعمال کرنے کی پُر زور مذمت کرتی ہوں اور شہزاد اکبر نے اس بیان کے خلاف قانون کا سہارا لیا جو بہت ہی اچھی بات ہے۔ اس سے یہ خوفناک زمینی حقیقت کُھل کر سامنے آ گئی کہ شہزاد اکبر تو ایک بااثر حکومتی اہلکار ہیں اس لئے اُن کی درخواست پر فوری کارروائی بھی ہو گئی مگر سوچئے کہ اگر احمدی کہہ دینے سے ایک اعلیٰ سول اہلکار کی زندگی خطرات میں گھر گئی یا گھر جاتی ہے تو ایک عام احمدی وہاں کس خوف میں زندگی بسر کر رہا ہو گا۔ اس پورے مقدمے سے یہ کُھل کر سامنے آیا کہ کسی کی جان و مال یعنی کسی احمدی کی جان و مال محفوظ نہیں ہے۔ اکثر پاکستانیوں کا یہ موقف ہے کہ احمدی اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہتے ہیں وہ سلام کیوں کرتے ہیں۔ وہ اسلامی طرزِ زندگی اختیار کیوں کیے ہوئے ہیں۔ اپنی عبادت گاہوں کو مساجد کیوں کہتے ہیں۔ نماز اور روزہ کیوں کرتے ہیں۔ کیونکہ ملکی آئین کے مطابق وہ غیر مسلم ہیں انہیں یہ سب کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور ہر مسلمان خود کو خدائی فوجدار سمجھتا ہے اور اِسی بناء پر پاکستان میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو احمدیوں کی زندگی لینے اور اُن کے گھر جلانے سے نہیں چوکتے۔ جبکہ معتبر مذہبی اسکالر یہ کہہ چکے ہیں کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے شہری کی جان مال پر صرف اِس لیے حملہ کرے کیونکہ وہ خود کو مسلمان کہتا ہے۔ یعنی کہ وہ خود کو مسلمان کیوں کہتا ہے۔ ایسے افراد کو قرارِ واقعی سزا دینے کی سخت ضرورت ہے بلکہ حکومت کو اپنے ہی ایک مُشیر کے اِس پورے معاملے کی روشنی میں فوری طور پر ٹھوس اقدامات اٹھانی اور آئین سے ایسی شکلیں دور کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے جس سے احمدی عقیدے کے شہریوں کی زندگیاں مسلسل خطرات میں گھری رہتی ہیں اور وہ خوف کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ نہ صرف احمدی عقیدے کے افراد اور شہری بلکہ جو دوسری اقلیتیں ہیں اُن کے لیے بھی معاملات اور حالات کچھ بہت اچھے نہیں ہیں۔ اُن پر پھر کسی کالم میں بات ہو گی۔

اخبار''نوشتہ دیوار'' کراچی

سید عتیق الرحمن گیلانی

جب امریکہ نے پاک سرزمین سے 57ہزار حملے کر کے افغان بچوں اورخواتین کے دل ودماغ بھی ہلا دیئے۔ڈھائی لاکھ سے زیادہ افرادلقمہ اجل بن گئے اور افغانستان کھنڈرات میں تبدیل ہوا تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نیٹو کا ڈرامہ عراق، لیبیا اورشام کے لوگوں کو ملیامیٹ کر کے تیل کے ذخائر پر قبضے کے بعد اس طرح اختتام پذیر ہوگا کہ کابل ایئرپورٹ امریکہ کے قبضے میں ہوگا اور افغانی بڑی تعداد میں جہاز سے لٹک کر بھاگنے کی کوشش کررہے ہوں گے، جبکہ امریکہ اپنے فوجیوں اورکتوں تک کو بحفاظت اپنے جہازوں میں بٹھا کر لیجانے میں مصروف ہونگے اور اپنی ناکامی کا اعتراف کر کے افغان قوم کو ملامت کرتے ہوں گے کہ ہم نے ٹریننگ دی، پیسہ دیا لیکن تم نے طالبان کا مقابلہ نہیں کیا۔

افغان حکومت، افغان جہادی وسیاسی گروپوں اورافغان عوام کو چاہیے کہ سب سے پہلے تو نیٹو اورامریکہ کے رخصت ہونے پر جشن منائیں۔پھرجو لوگ طالبان کے حامی یا مخالف ہوں وہ آپس میں لڑنے کے بجائے آئندہ کی حکمت علمی بنانے میں اہل اقتدار کا ساتھ دیں۔افغانستان کے لوگ لڑائی اور جنگ وجدل سے تھک چکے ہیں۔ان کی ہمدردی طالبان یا سابقہ افغان حکومت میں کسی سے بھی ہوسکتی تھی لیکن خون بہانے اور فساد کرنے کے حق میں کوئی بھی نہیں تھا۔

اشرف غنی اورعبداللہ عبداللہ دونوں نے جمہوری بنیادوں پر صدارت کے حلف بھی علیحدہ علیحدہ اُٹھالئے تھے لیکن پھر امریکہ نے ان کی صلح کروائی اوراس وجہ سے اشرف غنی صدر اورعبداللہ عبداللہ کوایک دوسری اہم ذمہ داری سونپ دی گئی تھی۔اگراشرف غنی کے بجائے عبداللہ عبداللہ کو صدر بنایا جاتا اور حکومت بھی طالبان سے لڑائی جاتی تو افغان عوام کا بہت نقصان ہوجاتا۔اگر عبداللہ عبداللہ نے طالبان سے صلح کرنے کی کوشش میں کامیابی کا دعویٰ کرنا ہو تو یہ بات غلط تھی اسلئے کہ طالبان کے ترجمان سہیل شاہین نے واضح کیا تھا کہ ہماری اشرف غنی سے کوئی ذاتیات نہیں، ہم افغان حکومت سے جنگ کرکے اقتدار لیں گے۔آج طالبان نے امارت اسلامی افغانستان کی بحالی کا اعلان کررکھا ہے مگر دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ اپنے اسلام اور بین الاقوامی دنیا کیلئے قابلِ قبول حکومت کے مشن میں کیسے کامیاب ہوسکتے ہیں؟۔میں پوری ذمہ داری کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ملا ازم کا اسلام نہیں ہو بلکہ قرآن وسنت کا اسلام ہو تو طالبان نہ صرف اس خطے بلکہ پوری دنیا کیلئے اسلام ہی کی بنیاد پر قابلِ قبول ہوسکتے ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ اپنے روایتی اسلام کی جگہ حقیقی اسلام کو اپنے معاشرے میں نافذ کریں۔

حضرت علی نے فرمایا کہ قریب ہے کہ فقر آخر کفر تک پہنچادے۔طالبان کو اگر حکومت چلانے کیلئے مالی وسائل مہیا نہیں ہوئے تو وہ ہیروئن کی کاشت پر بھی مجبور ہوجائیں گے۔دنیا کے دولتمند ممالک کو افغانستان میں سرمایہ کاری پر آمادہ کئے بغیر طالبان کیلئے حکومت چلانا مشکل بلکہ ناممکن ہوگی۔ایک طرف اگر دنیا افغانستان میں سرمایہ کاری پر آمادہ ہوجائے اور دوسری طرف طالبان کرپشن کا خاتمہ کردیں تو افغان عوام کی خوشحالی کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔بہت سے لوگوں میں طالبان سے نفرت اسلئے پائی جاتی ہے کہ اپنے مدارس کو عوامی چندوں سے چلانے والے طالبان جب اقتدار میں آتے ہیں تو بدترین ڈکٹیٹر بن جاتے ہیں اور جب جہاد کا راستہ اپناتے ہیں تو بھتے لینے سے بھی کام چلاتے ہیں۔یہ بہت ہی کم نسل اور بدذات لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کمزور ہوں تو بھیک مانگنا شروع کریں، بھتے کی طاقت رکھیں تو بھتہ وصول کریں اور اقتدار میں آجائیں تو عوام کو اپنا غلام سمجھنا شروع کریں۔ماضی میں طالبان نے ایسا ہی کیا تھا اوراب بھی طالبان پر بہت لوگ بھروسہ اسلئے نہیں کرتے کہ وہ اپنی فطرت کو نہیں بدلے ہیں۔مجبوری میں حالات کے پیشِ نظر اپنے لئے جگہ پیدا کرنے کیلئے رعایتوں کا اعلان کررہے ہیں لیکن جب اقتدار پر گرفت مضبوط ہوگی تو وہی کریں گے۔

زیادہ عرصہ کی بات نہیں کہ فلش سسٹم نہیں تھا، خواتین بھی گھروں اورگاؤں سے نکل کر رفع حاجت کیلئے جایا کرتی تھیں۔آج بھی بہت سے دیہاتوں میں یہ رواج ہے۔رسول اللہ وخلفاء راشدین کے دور میں خواتین کیلئے گھروں میں بیٹھ کر رفع حاجت کا انتظام نہیں تھا۔خواتین پنج وقتہ نماز کیلئے مساجد میں جایا کرتی تھیں۔آج بھی حرم پاک میں پنج وقتہ نماز،طواف اورصفا ومروہ کی سعی میں خواتین وحضرات شانہ بشانہ میراتھون ہی کررہے ہوتے ہیں۔

جب کابل اور افغانستان سے پہلی بار مہاجرین پشاور اور پاکستان آئے تو یہ لطیفہ مشہور ہوا تھا کہ ایک افغانی مہاجر نے پشاور شہر سے رفع حاجت کیلئے نکلنے کی کوشش کی تھی لیکن آخر کار معاملہ کنٹرول سے نکلنے لگا تھا تو کسی گلی کے کونے کھانچے میں جگہ تلاش کر کے ایک تھیلی میں پوٹی کر دی۔ وہ تھیلا کسی گند کے ڈھیر پر پھینکنے کی تلاش میں نکلا تو پولیس نے سمجھا کہ کوئی بم چھپا رکھا ہے۔ پولیس نے پکڑ لیا اور وہ پورا زور لگا رہا تھا کہ پولیس والے تھیلی کو کھول کر نہ دیکھیں۔ آخر کار پولیس نے تھیلی چھین لی اور تھانیدار نے بسم اللہ پڑھ کر تھیلی میں ہاتھ ڈالا تو بارود کی جگہ پوٹی ہاتھ میں آئی۔ افغانی شرمندہ ہوا اور مشہور گیت کے الفاظ بدلے۔

زار دے شم کابلا چہ ہر زائے دے گل خانہ دار۔ میں تم پر قربان ہو جاؤں تجھ پرائے کابل کہ تمہاری ہر جگہ پھولوں کا خانہ ہے۔ کی جگہ اس نے کہا کہ ''زار دے شم کابلا چہ ہر زائے دے غل خانہ دار۔ میں قربان ہو جاؤں تجھ پرائے کابل کہ تمہاری ہر جگہ پاخانے کی ہے۔ کابل میں بھی پہلے رفع حاجت کیلئے فلش سسٹم نہ تھا اور پشاور اور پاکستان کی مساجد میں بھی فلش سسٹم کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔

اگر قطر اور دنیا بھر میں طالبان قائدین مغربی لباس کی خواتین کیساتھ مل بیٹھ کر خوشگوار انداز میں بات چیت اور پروگرام کر سکتے ہیں تو اپنے کابل کی خواتین کو ایک کھلے عام دعوت دیں کہ خوف وہراس نکالنے کیلئے میراتھون ریس کرلیں اور جو افغان خواتین دوسرے ملکوں میں جس طرح کا لباس پہنتی ہیں تو وہ اپنے ملک میں اپنے لوگوں کے سامنے بھی وہ لباس پہننے میں حرج نہ سمجھتی ہوں تو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ طالبان ان پر زبردستی اپنی مرضی مسلط نہ کریں۔ قرآن نے جو حکم دیا ہے اس کے مخاطب مسلمان حکمران نہیں ہیں بلکہ براہِ راست مسلم خواتین ہیں اور اگر وہ اس حکم پر عمل نہیں کرتی ہیں تو حکمران کو زبردستی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے۔ خانہ کعبہ میں حجرا سود چومتے وقت عورتوں اور مردوں کا ازدھام جس شرمناک انداز میں ایک دوسرے کیساتھ ہڈی پسلیاں ایک کر دیتا تھا تو اس کی بدترین مثال دنیا کے کسی ملک بھی نہیں ملتی ہے۔ جاہل عربوں نے خواتین کے نقاب کو ضروری قرار دیا لیکن حجرِ اسود کیلئے کوئی معقول انتظام نہیں کیا تھا۔

شوہر کو جتنی غیرت اپنی بیوی پر آتی ہے کسی دوسرے مرد کو کسی دوسری عورت پر ایسی غیرت نہیں آسکتی ہے۔ جب عورت اپنے شوہر کے سامنے گھر میں پردہ کرنے پر مجبور ہو اور گھر سے باہر بے لباس گھومے تو اس سے حاصل کیا ہوگا؟۔ سعودی عرب اور ایران کی خواتین اپنے ملکوں میں پردہ کرتی ہوں اور جہاز میں اپنے عبائے کو پرس میں ڈال کر جدید ترین مغربی لباس زیب تن کرتی ہوں تو اس جبری پردے کو خواتین کے چہرے پر نہیں مذہبی طبقات کی عقل پر ہونا چاہیے تھا اور حقیقت میں مذہبی طبقات نے اپنی عقلوں پر ہی پردہ ڈال رکھا ہے۔

اگر اللہ اپنے مقدس گھر خانہ کعبہ میں حج وعمرے کے دوران مسلمان خواتین کو چہرہ کھولنے کا حکم دیتا ہے تو اپنے نام پر مسلط ہونے والے حکام کو کیسے حکم دے سکتا ہے کہ وہ مسلم خواتین کو چہرہ ڈھانکنے پر مجبور کریں؟ طالبان کی کوئی غلطی نہ تھی اسلئے کہ شروع میں جب ہم نے مولوی کے اسلام کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا تھا تو ہم نے بھی اپنے طالب علمانہ سوچ سے یہی سمجھ رکھا تھا اور اپنے دلوں میں بہت شدت بھی رکھتے تھے لیکن جب قرآن وسنت کو سمجھ لیا تو خیالات میں انقلاب آیا اور آج ہمارا مقصد طالبان کو ان مشکلات سے بچانا ہے۔ اگر طالبان خواتین پر پابندی برقرار رکھیں گے تو ہمارے علماء ومفتیان اور مذہبی قائدین تب بھی ان کا خیر مقدم کریں گے اور اگر طالبان مخلوط میراتھون ریس کا اہتمام کریں گے تو پھر مولانا فضل الرحمن اپنے ساتھ مریم نواز کو بھی لائیں گے اور شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی بھی مدارس کی طالبات اور عالمات کو ساتھ لائیں گے اور فرمائیں گے کہ جب اسلامی بینکوں میں ہم نے خواتین وحضرات کا مخلوط نظام رکھا ہے تو پھر طالبان کے اس اجتہاد کا تہہ دل سے ہم والہانہ استقبال کرتے ہیں۔ طالبان تو چھوٹے میاں ہیں۔ جس تصویر کو جائز نہیں سمجھ رہے تھے اور اب سیلفیاں بنواتے ہیں تو پھر ''چھوٹے میاں تو چھوٹے میاں بڑے میاں سبحان اللہ''۔

طالبان کو چاہیے کہ صحافیوں، خواتین اور مخالفین کو بھرپور طریقے سے اپوزیشن کرنے کا موقع دیں۔ قرآن وسنت نے دنیا میں یہی طریقہ رائج کیا تھا جس کی وجہ سے پوری دنیا میں جمہوری نظام کے خدوخال واضح ہوئے تھے۔ جب اللہ کے رسول نے فرمایا کہ ''میرے پاس قلم کاپی لاؤ، تاکہ میں ایسی وصیت لکھ دوں تاکہ میرے بعد آپ گمراہ نہ ہوجائیں'' تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ ''اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے''۔ اللہ کی کتاب قرآن

میں باہمی مشاورت کیساتھ امر طے کرنے کی وضاحت تھی۔ رسول اللہ نے حضرت عمر کی بات پر عمل کرتے ہوئے اپنی طرف سے کوئی وصیت نہیں لکھی۔

رسول اللہ کے بعد انصار ومہاجرین میں خلافت کے مسئلے پر پھوٹ اور فتنہ وفساد کا خطرہ تھا لیکن پھر وہ حضرت ابوبکر کی شخصیت اور صحابہ کرام کی اعلیٰ ترین تربیت کی وجہ سے ٹل گیا اور پھر جب حضرت عمر نامزد ہوگئے تو حضرت ابوبکر سے صحابہ نے شکایت کی تھی کہ آپ کو اللہ کا خوف نہیں کہ اس سخت انسان کو ہم پر مسلط کر رہے ہو؟۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ ”جب خلافت کا بوجھ اس کے کاندھے پر پڑے گا تو یہ خود بخود نرم ہوجائیں گے“۔ خلافت کے بوجھ نے حضرت عمر کی حالت اس حد پر پہنچادی تھی کہ فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر دریائے نیل کے کنارے ایک کتا بھی پیاس سے مرگیا تو عمر پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی اور اللہ اس سے پوچھے گا“۔

آج طالبان کی گردن پر حکومت کی ذمہ داری پڑی ہے تو طالبان مخالفوں کو بھی خوش ہونا چاہیے کہ طالبان اور ان کو آسمان کی دوش میں اُڑانے والے بہت پریشان ہونگے کہ اس ذمہ داری کا فرض کیسے ادا کریں گے؟۔

جب جنرل پرویز مشرف نے امریکہ کے سامنے سرنڈر کرکے پاکستان کو بچانے کی کوشش کی تھی تو بے ایمانی، بے غیرتی اور بے ضمیری کے وہ کونسے الفاظ ہیں جو پاک فوج کو نہیں کہے گئے تھے؟۔ لیکن آج امارت اسلامیہ افغانستان کے قیام کے بعد بھی امریکہ نہ صرف کابل ایئرپورٹ پر قابض ہے بلکہ وہ کھلے عام کہہ رہا ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ گیارہ ستمبر کے بعد بھی افغانستان میں اپنی افواج کو رکھے گا۔ اگرچہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے لیکن نہ پاکستان میں اتنی جرات ہے کہ اپنے دیئے ہوئے اڈوں کو خالی کراسکے اور نہ طالبان اپنی حکومت کو کھو سکتے ہیں اور نہ کھونے کیلئے کسی جذباتی ردِعمل کا اظہار کرنا چاہیے۔ جب ابوجہل وابولہب کا مکہ مکرمہ پر قبضہ تھا تو مسلمانوں نے ہجرت کرنے میں اپنی عافیت سمجھی تھی۔

روس، چین، ترکی، پاکستان اور ایران نے بہت حکمت عملی کیساتھ طالبان کا ساتھ دیکر امریکہ کو شکست سے دوچار کیا ہے جس میں برطانیہ کا بھی ہاتھ لگتا ہے تو اب حکمتِ عملی کیساتھ امریکہ کو افغانستان سے جانے دیں۔ طالبان افغانستان میں قیام امن کیلئے ہرقسم کی کوشش کو بروئے کار لائیں۔ غرور وتکبر اور طاقت کا نشہ برے انجام تک پہنچانے کے علاوہ کچھ نہیں دیتا ہے۔ لوگوں کی باتوں میں بالکل بھی نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس سے بڑی تہمت کوئی نہ ہوگی کہ طالبان کو اشرف غنی کے مقابلے میں ایمان کی طاقت بیان کی جائے اور امریکہ کے مقابلے میں اللہ کو بے بس ظاہر کیا جائے۔ یعنی جب تک امریکہ موجود تھا تو پھر طالبان کیساتھ اللہ کی امداد بھی نہیں تھی اور جونہی امریکہ صلح کا معاہدہ کرکے اپنا بوریا بستر لپیٹنے پر راضی ہوتو اللہ نے طالبان کی مدد کرکے فتح مکہ نصیب میں لکھ دی۔ حالانکہ فتح مکہ میں دشمن کے سب سے بڑے سردار ابوسفیان کے گھر کو بھی عزت بخشی گئی تھی اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بن ابوجہل بھاگنے کے بعد واپس آگیا۔ طالبان کو چاہیے کہ اشرف غنی کو بھی واپس بلالیں۔ تاکہ فتح مکہ کی واقعی میں یاد تازہ ہوجائے اور افغان قوم اور افغان کرنسی کی طاقت میں اضافہ ہوجائے۔

جس پہ کرم ہے، اُس سے کبھی پنگا نہ لینا

تلقین شاہ

اشفاق احمد کہتے ہیں جس پہ کرم ہے، اُس سے کبھی پنگا نہ لینا۔ وہ تو کرم پہ چل رہا ہے۔ تم چلتی مشین میں ہاتھ دو گے، اُڑ جاؤ گے۔ کرم کا فارمولا تو کوئی نہیں۔ اُس کرم کی وجہ ڈھونڈو۔ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے، جب بھی کوئی ایسا شخص دیکھا جس پر ربّ کا کرم تھا، اُسے عاجز پایا۔ پوری عقل کے باوجود بس سیدھا سا بندہ۔ بہت تیزی نہیں دکھائے گا۔ اُلجھائے گا نہیں۔ رستہ دے دے گا۔ بہت زیادہ غصّہ نہیں کرے گا۔ سادہ بات کرے گا۔ میں نے ہر کرم ہوئے شخص کو مخلص دیکھا اخلاص والا... غلطی کو مان جاتا ہے۔ معذرت کرلیتا ہے۔ سرنڈر کردیتا ہے۔ جس پر کرم ہوا ہے ناں، میں نے اُسے دوسروں کے لئے فائدہ مند دیکھا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کی ذات سے نفع ہو رہا ہو، اور اللہ آپ کے لئے کشادگی کو روک دے وہ اور کرم کرے گا۔ میں نے ہر صاحب کرم کو احسان کرتے دیکھا ہے۔ حق سے زیادہ دیتا ہے۔ اُس کا درجن 13 کا ہوتا ہے، 12 کا نہیں۔ اللہ کے کرم کے پہیے کو چلانے کے لئے آپ بھی درجن 13 کا کرو اپنی زندگی میں۔ حساب پہ چلو گے تو حساب ہی چلے گا دل کے کنجوس کے لئے کائنات بھی کنجوس ہے۔ دل کے سخی کے لئے کائنات خزانہ ہے۔ جب زندگی کے معاملات اڑ جائیں سمجھ جاؤ تم نے دوسروں کے معاملات اَڑائے ہوئے ہیں۔ آسانیاں دو، آسانیاں ملیں گی۔!!

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

دوستی: لوگوں کی باتوں پر کان مت دھرو ہر شخص وہ کہتا ہے جہاں سے وہ دیکھتا ہے خطاؤں اور غلطیوں کو مٹا دو تا کہ دوستی اور بھائی چارگی چلتی رہے ایک شخص اپنے دوستوں کی محفل میں باقاعدگی سے شریک ہوتا تھا، اچانک کسی اطلاع کے بغیر اس نے آنا چھوڑ دیا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک انتہائی سرد رات میں اس محفل کے ایک بزرگ نے اس سے ملنے کا فیصلہ کیا اور اس کے گھر گئے۔ وہاں انہوں نے اس شخص کو گھر میں تنہا، ایک آتشدان کے سامنے بیٹھا پایا، جہاں روشن آگ جل رہی تھی۔ ماحول کافی آرام دہ تھا۔ اس شخص نے مہمان کا استقبال کیا۔ دونوں خاموشی سے بیٹھ گئے، اور آتشدان کے آس پاس رقص کرتے شعلوں کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر بعد، مہمان نے ایک لفظ کہے بغیر، جلتے انگاروں میں سے ایک کا انتخاب کیا جو سب سے زیادہ چمک رہا تھا، اس کو چمٹے کے ساتھ اٹھایا اور ایک طرف الگ رکھ دیا۔ میزبان خاموش تھا مگر ہر چیز پر دھیان دے رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں تنہا انگارے کا شعلہ بجھنے لگا، تھوڑی سی دیر میں جو کوئلہ پہلے روشن اور گرم تھا اب ایک کالے اور مردہ ٹکڑے کے سوا کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ سلام کے بعد سے بہت ہی کم الفاظ بولے گئے تھے۔ روانگی سے پہلے، مہمان نے بیکار کوئلہ اُٹھایا اور اسے دوبارہ آگ کے بیچ رکھ دیا، فوری طور پر اس کے چاروں طرف جلتے ہوئے کوئلوں کی روشنی اور حرارت نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ جب مہمان روانگی کے لئے دروازے پر پہنچا تو میزبان نے کہا: آپ کی آمد کا، اور آپ کے اس خوبصورت سبق کے لئے بہت شکریہ، میں جلد ہی آپ کی محفل میں واپس آؤں گا۔ گروپ بھی ایک کنبہ کی طرح ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کبھی کبھی ہم کچھ پیغامات سے ناخوش اور ناراض ہوتے ہیں، جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس تعلق کو قائم رکھنا چاہیے۔ ہم یہاں ایک دوسرے کی خیریت سے آگاہ رہنے کے لئے، خیالات کا تبادلہ کرنے، یا محض یہ جاننے کے لئے ہیں کہ ہم تنہا نہیں ہیں۔ دوسروں سے حرارت لیں اور اپنی حرارت سے دوسروں کو مستفید کریں اور سب کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اس شعلہ کو زندہ رکھیں اور اللہ کی بخشی گئی سب سے خوبصورت چیز ''دوستی'' کو ہمیشہ قائم و دائم رکھیں۔

ہماری ترجیحات دنیا کے مقابل ۔ عاصی صحرائی

یورپ 600 کلومیٹر کے اب ہاہپر لوپ ٹرین بنا رہا ہے جو 1000 کلومیٹر سے تیز ہوگی چائنہ مصنوعی سورج چاند بنا رہا ہے پھر چاند پر بستی بنائے گا، امریکہ مریخ پر آباد ہونے جا رہا ہے۔ دنیا چوتھے صنعتی انقلاب سے گزر کر اب آرٹیفشل انٹیلیجنس کے دور میں پہنچ چکی ہے کمپیوٹر کے آٹھویں نویں اور دسویں جنریشن کے پروسیسرز پہ کام ہو رہا ہے، نینوٹیکنولوجی کی نیکسٹ جنریشن ڈیویلپ ہو رہی ہے، موبائل پروسیسر ناقابل یقین رفتار پہ لے جایا جا رہا ہے، ٹیسلا انتہاء مختصر اور موثر بیٹریوں کے ڈیزائن پر کام کر رہا ہے انسانیت اپنی ترقی کے اوج ثریا پہ پہنچ رہا ہے، سیرین لیب بگ بینگ کی گتھی سلجھانے جا رہی ہے، اور ہماری ترجیحات و مسائل تحقیق، تخلیق اور تکنیک سائنس ٹیکنالوجی نہیں بلکہ غیرت، حرمت، نسبت، مباشرت، لعنت، فقے، فتوے، حلالے، تبرے، چندے، استنجے، ٹخنے، چِلے، جُتے، تکیے، دھاگے، کڑے، گنڈے، کھیرے، لوٹے، لونڈے، حلوے، جلوے، تلوے، بکرے، کھوتے، .متعہ، طوطے، پریاں، گدیاں، ٹوپیاں، جنتریاں، لونڈیاں، ہرا، کالا، نوری، سیندوری، دم، بم، مسلک، تلک، جھلک، کھیر، تصویر، تقدیر، شلوار، تلوار، سنگسار، مقلد، غیر مقلد، مونچھ، داڑھی، جائز، ناجائز، مکروہ، بدعت، واجب، پورا ثواب، آدھی نیکی، پکا کافر، کچا مسلمان،. کذاب، ثقہ، غیر ثقہ، دجالی، دلالی، حلالی، جلالی، جُنبی، لعنتی، جنتی، جہنمی یہ کیا مخبوط الحواسی ہے؟ کب تک یہ چورن بکے گا کب تک یہ دیوانگی جاری رہے گی۔ بھائی جتنا ستیاناس ہونا تھا ہو چکا. اب تو سخت جھنجھلاہٹ ہونے لگی ہے۔ دنیا کے ممالک ایک دوسرے کے لیے اپنی بانہیں پھیلا رہے ہیں اور ہم اور ہماری ترجیحات پتہ نہیں کب تبدیل ہونگی۔ اگر خدا کو مانتے ہو تو خدارا خدا کے لیے سوچو، خدا کے لیے۔

گناہ پر ندامت گناہ کو مٹا دیتی ہے۔
نیکی پر غرور نیکی کو تباہ کر دیتا ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ

ابن آدم کی اوقات

یہ حقیقی واقعہ ہے، لازمی پڑھیئے..

وہ خودمیجر جنرل تھا اس کے تین بیٹے تھے، تینوں سونے کا چمچ منہ میں لیے پیدا ہوئے اور شاہانہ زندگی گزرتی رہی وقت تیزی سے گزرا۔ میجر جنرل کے ساتھ (ریٹائرڈ) لگ گیا عہدے کی مدت ختم ہوئی ریٹائرڈ ہوگئے اوراب زندگی کا سفر انتہاء کی طرف چل پڑا...بیٹوں نے باپ کے عہدے سے خوب لطف اٹھایا..کہتے تھے ہمیں کیا فکر ہے ہمارا باپ میجر جنرل ہے... ہمارے کام خود بخود بنیں گے اور بنتے بھی رہے۔ ایک ٹیلی فون کال پر سب کچھ قدموں میں حاضر ہو جاتا تھا پھر وہ دن آ گیا جب بیٹے یہ بھول گئے کہ یہ وہی باپ ہے جس کے نام وعہدے کی وجہ سے لوگ ہمیں سر سر کہتے تھے۔

باپ کسی بیماری کی وجہ سے چلنے پھرنے اور بولنے سے معذور ہو گیا بیٹے کہنے لگے اب تو باپ کی کمزوری دیکھی نہیں جاتی ایک بیٹے نے کہا کہ ابا کی جائیدادومال کی تقسیم کرتے ہیں نہ جانے کب مرجائے اب تو شرم آتی ہے بتاتے ہوئے کہ لوگ کیا کہیں گے جب دوست آتے ہیں تو سامنے یہ بوڑھا ہوتا ہے چلو ایک نوکر مستقل ان کے ساتھ رہنے کے لیے رکھ لیتے ہیں جو ان کا خیال رکھے بیس ہزار ماہانہ دے دیں گے نوکر آ گیا اوراسی گھر کے ایک کمرے میں باپ کو فرش پر گدا لگا دیا گیا اور نوکر کو کہا کہ اس کا پورا خیال رکھنا ہمیں کوئی شکایت نہ ملے بیٹوں کی شادیاں ہوئیں ایک نے گرمی کی چھٹیاں گزارنے فرانس کا پروگرام بنایا اور دوسرے نے لندن اور تیسرے نے پیرس کا اور ہر جگہ اپنا تعارف میجر جنرل کے بیٹے ہونے سے شروع کرتے...نوکر کو تاکید کی کہ ہماری تین ماہ کے بعد واپسی ہوگی تم بابا کا پورا خیال رکھنا اور وقت پر کھانا دینا جی اچھا صاحب جی! سب چلے گئے وہ باپ اکیلا گھر کے کمرے میں لیٹا سانس لیتا رہا نہ چل سکتا تھا نہ خود سے کچھ مانگ سکتا نوکر گھر کو تالا لگا کر بازار سے بریڈ لینے گیا تو اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا لوگوں نے اسے ہاسپٹل پہنچایا اور وہ قومے سے ہوش میں نہ آسکا بیٹوں نے نوکر کو صرف باپ کے کمرے کی چابی دے کر باقی سارے گھر کو تالے لگا کر چابیاں ساتھ لے گئے تھے ملازم اس کمرے کو تالا لگا کر چابی ساتھ لے کر گیا تھا کہ ابھی واپس آ جاؤں گا اب بوڑھا ریٹائرڈ میجر جنرل کمرے میں لاک ہو چکا تھا اور وہ چل پھر نہیں سکتا تھا کسی کو آواز نہیں دے سکتا تھا لہٰذا تین ماہ بعد جب بیٹے واپس آئے اور تالا توڑ کر کمرہ کھولا گیا تو لاش کی حالت وہ ہو چکی تھی جو تصویر میں دکھائی دے رہی ہے محترم خواتین وحضرات عبرت کا مقام ہے یہ واقعہ ہم کس طرح اپنی اولاد کے لئے حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر ان کا مستقبل سنوارنے کے لئے تن من دھن کھپاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ دولت جائیدادیں بنا کر ان کا مستقبل محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ اولاد کل بڑھاپے میں میری خدمت کرے گی اعلیٰ ترین غیر ملکی سکولوں میں دنیاوی تعلیم دلواتے ہیں اور دین اسلام کی تعلیم دلوانے کو توہین سمجھتے ہیں جس میں سکھایا جاتا ہے کہ والدین کی خدمت میں عظمت ہے ہر انسان جو بوتا ہے اسی کا ہی پھل پاتا ہے۔ ہمیں بھی سوچنے سمجھنے کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنی اولاد کو کیا تعلیم دلوا رہے ہیں کہیں ہمارا حال بھی ایسا تو نہیں ہونے والا سوچئے گا ضرور جزاکم اللہ خیرا واحسن الجزا نوٹ: یہ ایک حقیقی واقعے کی تصویر ہے---

ذرا! سوچئے

آپکے پیدائیشی رشتے دار درحقیقت آپ کو پیش آنے والا ویسا ہی اتفاق ہیں جیسے آپ کا مسلمانوں کے گھر پیدا ہو جانا۔ پیدائشی مسلمان کہلانے کے باوجود، جیسے آپکا حقیقی مذہب وہ ہے جو آپکے روزمرّہ اعمال سے جھلکتا ہے، ایسے ہی آپ کا حقیقی رشتے دار وہ ہے جس کے اپنے سے متعلقہ معاملات میں آپ احساس، محبت، احسان اور ایثار جیسے جزبات محسوس کریں۔ والدین جانوروں کے ہوں یا انسانوں کے، وہ اپنی اولاد کے لیے یہ رویّہ اپنانے کے لیے محنت نہیں کرتے، جبلّت اُنہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

اُنکے علاوہ اگر آپ ایسے افراد پائیں جو آپکے لیے یہ رویّہ رکھتے ہوں تو اُنہیں اپنے قریب رکھنے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی گُریز نہ کیجیے کیونکہ یہی افراد آپکی زندگی کا حقیقی حاصل اور سرمایہ ہیں۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اس انڈرسٹینڈنگ کے تحت البتہ میں نے اپنے حقیقی رشتے داروں کی لسٹ بنائی تو والدین کے علاوہ اُس لسٹ میں موجود بیشتر افراد سے میرا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اُنکی بڑی اکثریت کی نہ کاسٹ مجھ سے ملتی ہے نہ رنگ، نہ زبان، نہ ثقافت، نہ عادات، نہ پیشہ اور نہ ہی پسند ناپسند، ہاں نظریہ اور مقصد ہم میں سے بیشتر کا تھوڑے تھوڑے فرق سے مشترک ہے۔ میرا تو اب اس بات پر یقین ہے کہ رشتہ وہی قابلِ قدر ہے جو نظریے اور مقصد کے مشترک ہونے سے بنتا ہے، خون رنگ زبان، ثقافت خاندان یا ملک ایک ہونے سے نہیں۔ اسی سے ملتی جلتی یہ دوسری بات بھی اہم ہے کہ عین ممکن ہے کوئی شخص اپنے اعمال کے آئینے میں درحقیقت مُشرک، کافر یا دین دشمن نظر آئے

جبکہ وہ خود کو ایمان والا سمجھتا ہو۔ آپ یقین کیجیے آپکا حقیقی مذھب اور عقیدہ وہی ہے جس کا ثبوت آپکی نفسیات سے ملتا ہو۔ یعنی آپکا یہ کہنا کہ آپ اللہ کو سب سے بڑا سمجھتے ہیں کسی کام کا نہیں جب تک آپکا معاشرتی عمل آپکے اس قول کا ثبوت نہ دے۔ ذرا سوچیے تو یہ حقیقت کتنی ڈراونی ہے کہ روزِ حساب مومن ہونے کا آپکا دعوٰی نہیں بلکہ آپکے اعمال آپکی قسمت کا فیصلہ کرنے والے پلڑے میں رکھے جائیں گے۔ گویا آپکا عمل ہی طے کرے گا کہ آپ ایمان والے تھے یا کافر۔

ہماری زندگیوں کو چیزوں کی کثرت کھا گئی ہے

کسی دور میں دس یا بارہ گانوں والا ایک کیسٹ ہوتا تھا۔ کوئی بہت شوقین ہوتا تو اپنی پسند کی لسٹ دے کر گانے بھرواتا۔ سب گانے بہت مزے سے سنتے تھے اب ہزاروں گانے ہوتے ہیں USB میں اور کوئی پسند نہیں آتا۔ دو، تین دوست ہوتے تھے جن سے ہر خوشی غم سانجھا ہوتا تھا۔ جب ضرورت ہو تو موجود ہوتے۔ اب سوشل میڈیا پر ہزاروں اور کانٹیکٹ لسٹ میں سینکڑوں لوگ ہیں مگر بیکار۔ یاد پڑتا ہے کہ گھروں میں بمشکل ایک سائیکل ہوتی تھی اسی پر گھر کی ساری شاپنگ بھی ہوتی تھی، سکول ٹیوشنز اور دوستوں سے ملنا بھی۔ یہ سب کر کے بھی فراغت کا وقت بچ جاتا تھا۔ اب گاڑیاں اور بائیکس کھڑی ہوتی ہیں مگر ان پر کام ختم نہیں ہوتے، بھاگ دوڑ میں ایسے دن گزر جاتا ہے پتہ بھی نہیں چلتا۔ اور اس سے بھی مزے کی بات اس ایک سائیکل کو بھی روز پنکچر لگتا یا ٹائر میں سپرنگ والے ہینڈ پمپ سے ہوا بھرنی پڑتی تھی۔ کبھی اس کے کُتے فیل ہو جاتے، تو کبھی ہینڈل ''ونگا'' (ٹیڑھا) ہو جاتا، کبھی چین اتر جاتی تو کبھی بریک فیل۔ ان سب مشکلات کے باوجود کبھی کام نپٹانے میں مشکل نہیں پڑتی تھی۔ پورے ہفتے میں سنڈے کو پکچر لگتی تھی اور بدھ کو چترہار۔ اسی کے چکر میں اینٹینے ہلا ہلا کر باولے ہوئے رہتے تھے۔ سارے گھر میں ایک ٹی وی ہوتا وہ بھی ناب یا بٹنوں والا، اور سارے دن میں صرف ایک ڈرامہ لگتا تھا رات آٹھ بجے۔۔ سب مل کر دیکھتے۔ اب کیبل پر سینکڑوں چینل ہزاروں ڈرامے مگر کسی پر دل نہیں ٹھہرتا۔ پیسے جمع کر کے لائبریری سے کرائے پہ رسالے لائے جاتے اور ایک ہی دن میں پورا ختم کر دیتے۔ گھر میں بچوں بڑوں ہر کسی کی بیڈ سائیڈ پر ناول، رسالہ یا کوئی کتاب ضرور ہوتی جو وہ رات کو پڑھ کر سوتے۔ پیسے ڈال کر وی سی آر منگوایا جاتا، فلموں کی لسٹ بنتی اور گروپ کی شکل میں بیٹھ کر فلمیں دیکھی جاتیں۔ اب تو موبائل پر جب چاہیں فلم دیکھ لیں مگر وہ مزہ اور طلب ختم ہوگئی۔ مجھے یاد پڑتا ہے گرمیوں میں سرِ شام صحن میں چھڑکاو کر کے چارپائیاں ڈل جاتیں۔ سونے سے پہلے سارے دن کی رپورٹیں ایکسچینج ہوتیں۔ ایک پیڈسٹل فین ہوتا تھا اور لائن میں پانچ سے چھ چارپائیاں ہوتی تھیں۔ دور کی چارپائی تک ہوا مشکل سے ہی پہنچتی۔ اب ہر کمرے میں اے سی ہے مگر نیند غائب۔ وقت کیساتھ ضرورتیں بھی بدل گئیں اور خلوص بھی۔ جب چیزیں تھوڑی تھیں تب قدر تھی اب ہر چیز کی بہتات ہے پر نا قدری بس ہماری زندگیوں کو چیزوں کی کثرت کھا گئی۔

ڈاکٹر محمد الیاس عاجز

تیرے قریب میرے مقولات بھی غلط
اقوال کی تو خیر کمالات بھی غلط
فتوہ ہے مجھ پہ میری سقایات بھی غلط
پانی پلانا دور عبادات بھی غلط
کہتے ہیں یار لوگ بہت ہی خراب ہوں
پھیلاتا ہوں یہاں میں خرابات بھی غلط
کیسے عجیب لوگ ہیں یہ تیرے شہر کے
رکھتے ہیں مجھ سے اپنے تضادات بھی غلط
میں ٹوٹ کر بکھر گیا ہوں عشق میں یہاں
اُلفت میں سب ہوئی ہیں عنایات بھی غلط

سویٹزرلینڈ

شہزادہ قمرالدین مبشر۔سکاٹ لینڈ

سوئٹزرلینڈ آپ نے سوئٹزرلینڈ کا نام سنا ہوگا۔ایک ایسا ملک جہاں دنیا کا ہر شادی شدہ جوڑا اپنے سہاگ رات منانے کا خواب دیکھتا ہے۔ برفانی میدانوں سے ڈھکا یہ ملک خوبصورتی کا ایک شاندار شاہکار ہے۔ ہریالی ہو یا برف،اپنی آنکھیں جہاں بھی جائیں پلک جھپکنا بھول جائیں۔سوئٹزرلینڈ دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔ مجھے ہر لحاظ سے امیر اس ملک کی ایک دلچسپ کہانی سنانے دو۔تقریباً 50 50 سال پہلے سوئٹزرلینڈ میں ایک پرائیویٹ بینک قائم کیا گیا جس کا نام سوئس بینک تھا۔اس بینک کے قوانین دنیا کے دیگر بینکوں سے مختلف تھے۔ یہ سوئس بینک اپنے صارفین سے ان کے پیسوں کی دیکھ بھال اور رازداری کے بدلے اپنے صارفین سے پیسے لیتا تھا۔ نیز رازداری کی ضمانت۔ کسٹمر سے مت پوچھو کہ پیسے کہاں سے آئے؟ کوئی سوال نہیں ،کوئی مجبوری نہیں۔ ایک سال کے اندر اس بینک کی شہرت پوری دنیا میں پھیل گئی چور، بے ایمان سیاستدان، مافیا، سمگلر اور بڑے تاجران تمام سوئس بینکوں کی پہلی پسند بن چکے تھے۔ بینک کا صرف ایک اصول تھا۔ ریچارج کارڈ کی طرح، اکاؤنٹ ہولڈر کو پاس ورڈ کے ساتھ ایک نمبر دیا جاتا ہے۔ بینک کو معلوم تھا کہ یہ نمبر کس کے پاس ہوگا۔کوئی تفصیل نہیں تھی، آگے پیچھے کوئی انکوائری نہیں تھی۔لیکن بینک کا ایک قاعدہ تھا کہ اگر سات سال تک کوئی لین دین نہیں ہوا یا اکاؤنٹ کو سات سال تک پریشان نہیں کیا گیا تو بینک اکاؤنٹ کو منجمد کر دے گا اور رقم پر حق جمع کرائے گا۔سات سال تک لین دین نہ کرنے کی صورت میں ، بینک کی رقم اب ہر روز پوری دنیا میں کئی مافیا مارے جاتے ہیں۔لیڈر پکڑے گئے ہیں۔ کتنے اسمگلر پکڑے جاتے ہیں یا مارے جاتے ہیں، کتنے کو عمر قید ہوتی ہے۔ایسی صورت حال میں ایسے کئی اکاؤنٹس تھے جو بینک میں منجمد کر دیے گئے۔ 2000 کی نئی صدی کے موقع پر بینک نے اس طرح کے کھاتے کھولے۔تو ان میں پایا گیا کالا دھن پوری دنیا کے 40 فیصد کالے دھن کے برابر تھا۔پوری دنیا کا تقریباً half آدھا کالا دھن۔ یہ رقوم ہمارے تصور سے باہر ہیں۔شاید۔ یہاں تک کہ بینک بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس رقم کا کیا کیا جائے۔کیا کرنا ہے، کیا کرنا ہے۔ یہ سوچ کر بینک نے ایک اعلان کیا اور سوئٹزرلینڈ کے شہریوں سے پوچھا کہ اس رقم کا کیا کرنا ہے۔بینک نے یہ بھی کہا۔اگر ملک کے شہری چاہیں تو بینک ان کو یہ رقم تقسیم کر سکتا ہے اور ہر شہری کو ایک کروڑ کی رقم ملے گی۔ حکومت کی طرف سے کئے گئے 15 روزہ سروے میں 2.99 لوگوں کی رائے تھی کہ یہ رقم ملک کی خوبصورتی کو بڑھانے اور غیر ملکی سیاحوں کی سہولیات اور ترقی میں خرچ کی جانی چاہیے۔سروے کے نتائج ہم ہندوستانیوں کے لیے حیران کن ہیں۔لیکن محب وطن سوئٹزرلینڈ کے لوگوں کے لیے یہ ایک عام بات تھی۔اس نے حرم کے پیسے کو مسترد کر دیا۔ یہ واضح سروے مفت نہیں چاہتا تھا* چونکا دینے والی بات اگلے دن ہوئی۔ 25 جنوری 2000 کو سوئٹزرلینڈ کے لوگ سرکاری سروے چینل کے باہر ایک بینر اٹھائے کھڑے تھے۔انہوں نے کہا کہ 8.0 لوگ جو مفت کھانے والے ہیں، اپنے ناموں کو عام کرتے ہیں۔ یہ معاشرے اور سوئٹزرلینڈ پر ایک دھبہ ہے۔ بہت کوشش کے بعد حکومت نے یقین دہانی کرائی کہ جو لوگ مفت کا مطالبہ کرتے ہیں ان کو سزا دی جائے گی، پھر عوام پرسکون ہوئے۔اور ہمارے ہندوستان میں سب کچھ مفت ہے۔اس کے علاوہ ٹیکس چوری، بجلی چوری، چوری...میرا انڈیا بہت اچھا ہے...

وی وی وی اہم...ہندوستان کا نظام ہے۔عام عوام کو دھوکہ دیتا ہے؟

شہزاد نیر

تو بنا کے پھر سے بگاڑ دے مجھے چاک سے نہ اُتارنا
رہوں کوزہ گر تیرے سامنے مجھے چاک سے نہ اُتارنا
ترے چوب و چاک کی گردشیں مرے آب و گل میں اُتر گئیں
مرے پاؤں ڈوری سے کاٹ کر مجھے چاک سے نہ اُتارنا
تیری اُنگلیاں میرے جسم میں یوں ہی لمس بن کے گڑھی رہیں
کفِ کوزہ گر مری مان لے مجھے چاک سے نہ اُتارنا
مجھے رُکتا دیکھ کے کرب میں کہیں وہ بھی رقص نہ چھوڑ دے
کسی گرد باد کے سامنے مجھے چاک سے نہ اُتارنا
تیرا خام حسن بھی عزیز ہے بڑے شوق سے تو سنوار لے
میرے پیچ و خم مرے زاویئے مجھے چاک سے نہ اُتارنا
ترے سنگ چاک پہ نرم ہے مری خاک نم سے چھونا وہ
کسی ایک شکل میں ڈھال کے مجھے چاک سے نہ اُتارنا
مجھے گوندھنے میں جو گم ہوئے ترے یہ طوران کا بدل کہاں
کبھی دستِ غیر کے واسطے مجھے چاک سے نہ اُتارنا
تیرا گیلا ہاتھ جو لپٹ گیا میرے بھیگے بھیگے وجود سے
مجھے ڈھانپ لینا ہے آگ سے مجھے چاک سے نہ اُتارنا

پیری مریدی اور مزاروں پر ہونے والا کھلّم کھلا شرک

قاسم عباس۔مسی ساگا۔کینیڈا

دنیا میں اور خاص کر کے برصغیر میں کروڑوں لوگ پیری مریدی کے چکّر میں پھنسے ہوئے ہیں اور ضعیف العتقاد لوگ پیروں کو اپنا مسیحا مانتے ہیں اور اس کے علاوہ مزاروں پر کھلّم کھلا شرک ہو رہے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اولیا کرام کا بہت ہی اونچا مقام ہے کیونکہ دین اسلام کے پھیلانے میں ان کی بڑی کوشش شامل ہے۔مگر جو مشرکانہ کام جو مزاروں پر ہو رہے ہیں نہ تو ایسے کاموں کے بارے میں قرآن میں کچھ کہا گیا ہے اور نہ حدیث میں۔ان مزاروں پر سجدے ہو رہے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ان سے دعائیں مانگی جا رہی ہیں مزار پرستی، قبر پرستی اور پیر پرستی ضعیف العتقاد مسلمانوں میں صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔کتنی عجیب بات ہے کہ مسلمان دن میں کم از کم مرتبہ اور زیادہ سے زیادہ مرتبہ نماز میں قیام کی حالت میں سُورَۃُ الفَاتِحَة پڑھتا ہے اور سورہ الفَاتِحَة کی پانچویں آیت دوہراتا ہے۔إِيَّاكَ نَعبُدُ وَإِيَّاكَ نَستَعِين یعنی (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں مسلمان نماز میں اللہ سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔مگر یہ ہی وعدہ کرنے والا مسلمان نماز سے فارغ ہو کر مزاروں پر جا کر اپنی حاجت کے لئے مدد طلب کرتا ہے۔صاحب حیثیت لوگ تو اللہ کو چھوڑ کر مدد طلب کرنے کے لئے اور اپنی خالی جھولی بھرنے کے لئے لاہور، پاک پٹن، سہون، اجمیر، دھلی وغیرہ کا بھی سفر کرتے ہیں اور وہاں درگاہوں پر جا کر مدد طلب کرتے ہیں۔یہ ہے اللہ سے نماز کی حالت میں کئے ہوئے وعدے کی کھلّم کھلا خلاف ورزی اور کھلّم کھلا اور خالص شرک سوچنے کی بات ہے کہ صحابا کرامؓ کے زمانے میں نہ تو اجمیر تھا، نہ لاہور تھا، نہ سہون تھا اور نہ پاک پٹن تھا، تو پھر ان کی مشکلیں کیسے حل ہوتی تھی؟ ان کی جھولیاں کیسے بھرتی تھی؟ اللہ نے قرآن کریم میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا سُورَۃُ المُؤمن، آیت ایک اور جگہ اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سُورَۃُ ق'' آیت قرآن کریم میں اتنے صاف طریقے سے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ جو کچھ مدد چاہیئے وہ اللہ سے ہی طلب کرو۔اس کے باوجود مسلمانوں میں قبر پرستی، مزار پرستی اور پیر پرستی عروج پر ہے۔جہاں تک زندہ پیروں کا تعلّق ہے یہ اپنے آپ کو اللہ کے زمینی ایجنٹ سمجھتے ہیں اور اپنے کم عقل مریدوں کو اپنی روزی روٹی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اور ان کے مال پر عیش کرتے ہیں۔یہ سلسلہ بھی صدیوں سے چلا آ رہا ہے اور ایسے خود ساختہ پیروں مشائخوں، عاملوں اور باباؤں کے بارے میں بھی قرآن کریم میں بتایا گیا ہے۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔اے ایمان والو بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں سُورَۃُ التّوبَة آیت کا ابتدائی حصّہ ایسے جعلی پیروں کے بارے میں شاعر مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر پیش ہے۔

ہم کو تو میسّر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

اکثر ایسی بہت تصویریں اور ویڈیو دیکھنے میں آئی ہیں جس میں ایسے جاہل اور ضعیف العتقاد مسلمان پیروں کو، مزاروں کو اور قبروں کو سجدہ کرتے نظر آ رہے ہیں۔یہ سراسر اور کھلا شرک ہے کیونکہ سجدہ صرف اور صرف اللہ کو ہی کیا جاتا ہے۔ایک خاص مسلک کے لوگ ایسے سجدوں کو شرک قرار نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ تعظیمی سجدہ ہے اور شرک نہیں ہے بلکہ اسے حرام کہہ سکتے ہیں۔یہ خاص مسلک کے لوگ مردہ پرستی یعنی قبر پرستی اور مزار پرستی کو بڑھاوا دیتے ہیں یعنی دوسرے الفاظ میں وہ شرک کو بڑھاوا دے رہے ہیں اس سلسلے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث پیش ہے یہودیوں اور نصرانیوں پر اللہ کی لعنت ہو، جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا ڈالی۔اسی خاص مسلک والوں کی ویب سائٹ پر ایسا ہی زہریلا اور مشرکانہ مواد موجود ہے جس کی صرف ایک مثال لکھ رہا ہوں۔اس ویب سائٹ پر ایک اولیا اللہ کا فرضی قصہ بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ پیر کے مرید بننے سے پیر جنّت میں داخل نہیں ہونگے جب تک ان کے تمام مریدوں کو جنّت میں داخلہ نہیں مل جاتا ضعیف العتقاد مسلمانوں، جاگو اور اپنے رب کو پہچانو اور نماز میں اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ یاد کرو کہ جو تم لوگوں نے اس سے کیا ہے، یعنی اے اللہ، ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اللہ ان ضعیف العتقاد مسلمانوں کو عقل سلیم عطا کرے تا کہ وہ اپنے رب کو پہچانے اور صرف، صرف، اور صرف اللہ سے ہی مدد طلب کرے اور اپنی مرادیں بھی اللہ ہی سے مانگے اور اپنی خالی جھولی بھی اللہ کی طرف ہی پھیلائے۔آمین

آپ خود دیکھیں....

شہزادہ قمر الدین مبشر (گلاسگو اسکاٹ لینڈ)

1۔ اگر لیڈر چاہے تو دوسیٹوں سے بیک وقت الیکشن کروائے۔لڑ سکتے ہیں!

لیکن....آپ دوجگہوں پر ووٹ نہیں ڈال سکتے۔

2۔ اگر آپ جیل میں ہیں تو ووٹ نہ دیں۔لیکن ..لیڈر جیل میں رہتے ہوئے الیکشن لڑسکتا ہے۔

3۔ اگر آپ کبھی جیل گئے۔اب آپ کی زندگی ہے۔کوئی سرکاری نوکری نہیں ملے گی لیکن ...اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی لیڈر کتنی بار قتل یا عصمت دری کے جرم میں جیل گیا ہے،وہ پھر بھی وزیر اعظم یا صدر بن سکتا ہے، جو چاہے۔

4۔ بینک میں معمولی نوکری حاصل کرنا۔آپ کو گریجویٹ ہونا چاہیے.. لیکن، یہاں تک کہ اگر لیڈر کے انگوٹھے کا نشان ہے تو وہ ہندوستان کا وزیر خزانہ بن سکتا ہے۔

5۔ آپ کو فوج میں نابالغ ہونا پڑے گا۔ایک سپاہی کی نوکری حاصل کرنے کے لیے آپ کو 10 کلومیٹر دوڑ کر ڈگری دکھانی ہوگی۔لیکن....اگر لیڈر ناخواندہ بزدل اور لولا لنگڑا ہو۔تب بھی وہ فوج، بحریہ اور فضائیہ کے سربراہ یعنی وزیر دفاع بن سکتے ہیں اور جس کا پورا خاندان آج تک کسی سکول میں نہیں گیا.. وہ لیڈر ملک کا وزیر تعلیم بن سکتا ہے۔اور وہ رہنما جس کے خلاف ہزاروں مقدمات چل رہے ہیں۔وہ لیڈر محکمہ پولیس کا چیف بن سکتا ہے، یعنی وزیر داخلہ۔اگر کیا آپ کے خیال میں اس نظام کو تبدیل کیا جانا چاہیے؟ لیڈر اور عوام دونوں کے لیے ایک ہی قانون ہونا چاہیے۔تو براہ کرم اس پیغام کو آگے بڑھا کر ملک میں شعور لانے میں اپنا تعاون دیں۔

اگر آپ فارورڈ نہیں کرتے تو کسی لیڈر کو الزام نہ دیں۔اگر نہیں، تو آپ نقصان کے ذمہ دار ہوں گے۔سرکاری ملازم 30 سے 35 سال کی تسلی بخش سروس دینے کے بعد بھی پنشن کا حقدار نہیں؟ صرف 5 سال کے لیے ایم ایل اے، ایم پی پنشن کہاں کا انصاف ہے...؟ مسٹر ڈی کے سری واستو۔ چیف پبلک پراسیکیوٹر بمبئی ہائی کورٹ ممبئی..... اس مہم کو آگے بڑھائیں۔حذف نہ کریں،ہمیں واقعی اس نظام کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

SARMAD GLOBAL

CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK

TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002

E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM

WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM

CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL

Catering & Event Management

Services Available

- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking

We Take reservations Everyday

Catering to your requirments

Cell:07883 815195

Under New Management

Newly Refurbished function Hall

Looking for insurance?

For free advice call

Yasir Muhammad at **0203 468 2789**

Home/ Property	Business Fleet
Taxi Insurance	Shop Insurance
Car/ Van	Commercial Van
Life	Public Liability

www.londoninsure.co.uk

info@londoninsure.co.uk

LONDON INSURE

SHARIF

JEWELLERS

SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery

Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون:02085 401 666، فیکس02085 430 534
ای میل:law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندنSW19, 1AX
فون:02085 401 666، فیکس02085 430 534
ای میل:law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce

- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست(ILR)
- یورپین قانون
- اوورسٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائیبونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق ودیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)